ایک علمی و تحقیقی کاوش

نمازِ تراویح

سُنت نبوی ﷺ کی رُوشنی میں

تالیف:
علامہ الشیخ محمد ناصر الدین البانی

ترجمہ و تحشیہ:
محمد صادق خلیل

ناشر
ضیاء السنۃ ادارۃ الترجمہ والتالیف
محلہ رحمت آباد - لائل پور

تعداد ——— ایک ہزار

بار ——— اوّل

طابع ——— لائلپور نفیس پرنٹنگ پریس، لائلپور

ناشر ——— ضیاء السنّۃ، ادارۃ الترجمہ والتالیف لائلپور

طباعت ——— آفسٹ

صفحات ——— ایک سو بارہ

قیمت ——— ساڑھے چھ روپے

ملنے کا پتہ ——— "الاخوان" چنیوٹ بازار۔ لائلپور

ارشادِ باری تعالیٰ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الآية)

(الاحزاب ۲۱)

ترجمہ : رسولِ خدا میں تمہارے لئے عمدہ نمونہ ہے۔

اجمع المسلمون علی ان من استبان
لہ سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فلا تحل لہ ان یدعھا لقول احدٍ

ترجمہ: تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص کے
سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ظاہر ہو جائے
اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ سنت رسول کو کسی شخص کے
قول کے پیش نظر چھوڑے۔

(امام شافعیؒ)

فہرست محتویات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رمضان المبارک ایک فصلِ بہار ہے، جس میں برائیوں اور فواحش و منکرات کے بہت سے کانٹے ختم ہو جاتے ہیں، تقویٰ کے پھول کھلتے ہیں، نیکیوں کے غنچے چٹکتے ہیں عبادت کی کلیاں مسکراتی ہیں اور مسلمان قلب و نگاہ میں ہر طرف بہار ہی بہار نظر آتی ہے اور یہ تزئین صرف اس گلستانِ فانی ہی میں نہیں ہوتی بلکہ اس چمن زار باقی کی آرائش و زیبائش میں بھی سال بھر کی تیاریوں کے لیے بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ جس کی بہاریں کبھی خزاں رسیدہ نہ ہونگی۔ جس کے گلہائے رنگ رنگ کبھی نہیں مرجھائیں گے، جس کی کلیاں سدا تر و تازہ رہیں گی جس کے پھل سدا بہار اور چشمے ہمیشہ رواں دواں رہیں گے۔ میری مراد جنتِ بریں سے ہے ——— اور یہ کیوں نہ ہو جب کہ رمضان نزولِ قرآن کی سالگرہ کا مبارک مہینہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رمضان اور قرآن میں ایک خصوصی ربط ہے۔

رمضان المبارک میں قرآن مجید کی تلاوت کی مختلف صورتیں ہیں، جن میں سے سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ رات کو نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کی جائے۔ نماز تراویح اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے لہٰذا اس کی اہمیت کے پیشِ نظر یہ اشد ضروری ہے کہ اسے مسنون طریقہ سے ادا کیا جائے کیونکہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہی ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ امام شافعیؒ کا یہ ارشاد کس قدر درست ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب کسی شخص کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت واضح ہو جائے تو پھر اس کے لئے کسی شخص کے قول کے پیشِ نظر سنتِ نبوی سے روگردانی ہرگز ہرگز جائز نہیں۔

جب ہم اس بات کا جائزہ لینے کیلئے کہ نماز تراویح میں کیا تعداد مسنون ہے، کتبِ حدیث کی ورق گردانی کرتے ہیں تو بے شمار دلائل و براہین کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ سرورِ دنیا و دیں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم وتر سمیت گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔

کسی صحیح حدیث سے آپ کا بیس رکعت پڑھنا ہرگز ہرگز ثابت نہیں ، بیس رکعت والی حدیث بالکل ضعیف اور غیر معتبر ہے ، یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام کی طرح علامہ ابن الہمامؒ، علامہ عینیؒ اور حافظ زیلعیؒ جیسے جلیل القدر علماء حنفیہ نے بھی بیس رکعت والی روایت کی صاف صاف تضعیف کی ہے ۔

اسی طرح جلیل القدر فقہاء حنفیہ نے یہ بھی تسلیم فرمایا ہے کہ تراویح میں گیارہ رکعت ہی مسنون ہے مثلاً علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں :-

فحصل من ھذا ان قیام رمضان احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر فی جماعۃ فعلہ علیہ السلام (فتح القدیر ص ۲۳ ج ۲)

اس تحریر سے ثابت ہوا کہ تراویح گیارہ رکعت مع وتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے ۔

علاوہ ازیں "بحر الرائق شرح کنز الدقائق" "طحطاوی"، "فتح المعین شرح الشرح کنز" "فتاویٰ شرنبلالیہ" اور کئی دیگر کتب فقہ میں جلیل القدر فقہاء احناف نے گیارہ رکعت مع الوتر کی تعداد کے مسنون ہونے کو تسلیم فرمایا ہے ۔

اس مسئلہ کی نہایت شرح وبسط کے ساتھ محقق عصر اور محدث اعظم حضرت علامہ ناصر الدین البانی دامت برکاتہم نے اپنی کتاب صلوٰۃ التراویح میں تحقیق فرمائی ہے اور حق یہ ہے کہ حق ادا فرما دیا ہے ۔ اس موضوع پر اگرچہ بیسیوں کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن تحقیق ، اختصار مگر جامعیت کے اعتبار سے علامہ البانی کی یہ کتاب سب سے بہتر ہے ۔

علامہ البانی کے اسی شاہکار کو ۔ نمازِ تراویح ۔ کے نام سے ہمارے فاضل بزرگ حضرت مولانا محمد صادق صاحب خلیل اردو کے قالب میں پیش فرما رہے ہیں ۔ قبل ازیں آپ علامہ کی کتاب "تحذیر الساجد" کو بھی اردو کا جامہ پہنا کر دادِ تحسین حاصل کر چکے ہیں ۔ امید ہے اسی طرح اس کتاب کو بھی شرفِ پذیرائی بخشا جائے گا ۔

محمد خالد سیف

ڈائریکٹر ——— طارق اکیڈمی
سٹریٹ ۳ ، جھنگ بازار
لائلپور

۲۷ شعبان المعظم ۱۳۹۵ھ
۵ ستمبر ۱۹۷۵ء

مقدمہ

از مترجم

الحمد للّٰہ رب العالمین - والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول رب العالمین

اما بعد :- کتاب اللہ کے بعد دوسرا بڑا ماخذ وہ صحیح احادیث ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلیں یا وہ افعال ہیں جن کا آپ سے صدور ہوا یا وہ افعال جو آپ کی نظروں کے سامنے وقوع پذیر ہوئے لیکن آپ نے ان سے منع نہ فرمایا۔ پس اس بنیاد پر کسی بھی مسئلہ میں اگر راہنمائی مطلوب ہو تو کتاب اللہ اور سُنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشد و ہدایت طلب کی جائے۔

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن - پس حدیث مصطفٰے برجاں مسلم داشتن۔

نصوص صریحہ کی موجودگی میں ان کو ناقابلِ عمل یا ناقابلِ فہم سمجھ کر ان سے روگردانی کرنا کتاب و سُنّت کے ساتھ استخفاف کے مترادف ہے۔ لہٰذا سُنّتِ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہوتے ہوئے کسی صحابی، امام کے قول کو ترجیح دینا اور سنّتِ رسُول کو مرجوع قرار دینا شرعاً کیسے گوارا کیا جا سکتا ہے ؎

ہوتے ہوئے مصطفٰے کی گفتار مت دیکھ کسی کا قول و قرار

امام نووی صحیح مسلم کی شرح میں رقمطراز ہیں :-

واذا ثبت السنۃ لا تترک لترک بعض الناس و اکثرھم او کلھم لھا

(شرح مسلم ج ۱ ص ۳۶۹)

یعنی جب سُنّت ثابت ہو جائے تو کچھ لوگوں یا اکثریت یا تمام لوگوں کے چھوڑنے کی وجہ سے اس کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔

حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک عصر کی نماز کا وقت دو مثل سے شروع ہوتا ہے۔ امام صاحب کے مذہب پر علّامہ قرطبی کے اعتراض کو علّامہ عینی نقل کرتے ہیں۔

(قال القرطبی خالف الناس کلھم اباحنیفۃ فی ما قالہ حتی اصحابہ)

علّامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں تمام لوگوں نے امام ابوحنیفہ کی مخالفت کی ہے یہاں تک کہ ان کے شاگردوں نے بھی۔

علامہ عینی اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں :-

اذا کان استدلال ابی حنیفۃ بالحدیث فما یضرہ مخالفۃ الناس (عینی شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۴)

یعنی میں کہتا ہوں - جب امام ابوحنیفہ کا استدلال حدیث سے ہے تو لوگوں کی مخالفت ان کو کیا نقصان پہنچائے گی -

علامہ عینی کی اس صداقت سے معلوم ہوا کہ سنت کے مقابلہ میں اجماع کا منعقد ہونا محال ہے -

اسی طرح مولانا رشید احمد گنگوہی الکوکب الدری جلد ۱ صفحہ ۳۲۰ میں میت کو قبر میں اتارنے کے متعلق ائمہ کا اختلاف ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں - کہ ہمارے ہاں سنت یہ ہے کہ میت کو قبلہ کی طرف سے اتارا جائے اور امام شافعی وغیرہ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ قبر کے پاؤں کی جانب سے کھینچکر میت کو قبر میں اتارا جائے اور ہمارا مذہب اس بنیاد پر ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے اور پاؤں کی طرف سے کھینچنا صحابہ کا فعل ہے

مولانا گنگوہی کے اس ارشاد سے دو باتیں مترشح ہو رہی ہیں - ایک یہ کہ کسی مسئلہ میں صحابہ کرام کا عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے مختلف ہو سکتا ہے - دوسری یہ بات کہ ایسی صورت میں صحابہ کے فعل کو راجح نہیں سمجھا جائے گا -

ہمارا نقطہ نظر بھی یہی ہے کہ اصل معیار سنت ہے تعامل نہیں ہے - تعامل کو سنت نبوی کے مقابلہ میں کچھ حیثیت حاصل نہیں - پس مسئلہ تراویح میں کتب حدیث کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ رکعات تراویح ثابت ہیں - بیس رکعات والی حدیث بالاتفاق کمزور اور صحیح احادیث کے معارض ہے لہٰذا اس کو حجت تسلیم کرنا درست نہیں -

کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعات تراویح کا حکم دیا ؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ کہنا درست نہیں کہ انہوں نے بیس۲۰ تراویح کا حکم دیا - یا خود بیس۲۰ رکعات پڑھیں - کسی صحیح سند والی روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے اور جن میں ذکر ہے وہ سندا کمزور ہیں - تفصیلی مباحث کتاب میں ملاحظہ فرمائیں - البتہ یزید بن خصیفہ کا اثر (جس میں مذکور ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس۲۰ رکعات پڑھا کرتے تھے) شاذ ہے - یزید بن خصیفہ اگرچہ ثقہ ہے لیکن منفرد ہے - اور ثقہ راوی جب اپنے سے زیادہ ثقہ حافظ کی روایت کے مخالف روایت کرے تو اس کو رد کیا جاتا ہے -

---

[1] صحیح احادیث میں عصر کی نماز کا وقت ایک مثل سے شروع ہوتا ہے - دو مثل والی حدیث ساقط الاعتبار ہے تفصیل شروح حدیث میں ملاحظہ کریں - (مترجم)

تفصیلاً بحث کتاب میں آئے گی۔ اگر بفرضِ محال تسلیم بھی کر لیا جائے کہ عہدِ فاروقی میں لوگ بیس۲۰ رکعات تراویح پڑھتے تھے۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ لوگوں کے تعامل کی وجہ سے پیغمبر کی سُنّت کو ترک کر دیا جائے۔ اصل مفترض الطاعتہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پس ان کی اطاعت کو چھوڑ کر تعامل کو اختیار کرنا شانِ رسالت میں گستاخی کے مترادف ہے۔

حافظ ابن القیم اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں۔

السنۃ ھی المعیار علی العمل ولیس العمل معیاراً علی السنۃ (اعلام ص ۲۹۸ ج ۱)

یعنی سُنّتِ رسول کو تعامل پر ارجحیت حاصل ہو گی اور تعامل کو سُنّت پر ترجیح دینا درست نہیں۔

ابن قدامہ المغنی ص ۳۷۷ ج ۲ میں رقمطراز ہیں:۔ ولو ثبت فسنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقدمۃ علیٰ فعل اھل المدینۃ۔ اگر سُنّتِ نبوی ثابت ہو جائے تو اس کو اہلِ مدینہ کے تعامل پر مقدم رکھا جائے گا۔

اس رسالہ کے ترجمہ کے دوران مجھے اس مسئلہ پر بہت سی کتابوں کا مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا چنانچہ میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ جو لوگ بیس۲۰ رکعات تراویح کو مستحب قرار دیتے ہیں وہ آٹھ رکعات تراویح کی مسنونیت کا انکار کرنے کی جرأت نہیں پاتے۔ لیکن بیس رکعات کے اثبات کیلئے کبھی عرباض بن ساریہ کی حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین کا سہارا لیتے ہوئے اس حدیث کی لمبی چوڑی تشریحات کرتے ہوئے ثابت کرتے ہیں کہ جب خلفاء راشدین نے بیس رکعات تراویح ادا کی ہیں تو ان کی سُنّت کو اپنانا چاہیئے۔ جیسا کہ علامہ سرفراز احمد نے رسالہ تراویح میں حضرت عمرؓ کے متعلق تحریر کیا ہے کہ انہوں نے حضرات صحابہ کرام کی موجودگی میں بیس رکعات کا حکم دیا حالانکہ حضرت عمرؓ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں کہ انہوں نے بیس۲۰ رکعات کا حکم دیا ہو۔

من ادعیٰ فعلیہ البیان۔ اور اگر ثابت ہو بھی جائے تو سنتِ نبوی پر سنتِ صحابہ کرام کو ترجیح دینا درست نہیں۔ ہاں اگر سنتِ نبوی معلوم نہ ہو تو خلفاء راشدین کی سنت کے مطابق عمل کیا جائے۔

یہ لوگ جو حضرت عمرؓ کی سُنّت کے احیا پر اتنا زور دے رہے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر حضرت عمرؓ کی سُنّت کا احیا انہیں اتنا ہی مطلوب ہے تو حضرت عمرؓ کے تمام اقوال کو اپنایا جائے اور ان کی مخالفت نہ کی جائے۔ اصل مقصود حضرت عمرؓ کی سُنّت کا احیا نہیں ہے بلکہ جو مسئلہ ان کی خواہشات کے مطابق ہوتا ہے، اس پر ڈٹ جاتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حزم جلد خامس ص ۲۷۸ میں فرماتے ہیں۔

(ان احتجاجهم بعمر انما هو حيث وافق شهوتهم لاحيث صح عن عمر من قول او عمل و هذا عظيم فی الدين جداً) - یعنی یہ لوگ حضرت عمر کی بات کو اس وقت حجت تسلیم کرتے ہیں جب ان کی شہوات کے مطابق ہو۔ وگرنہ ان کے ہر قول یا عمل کو صحیح ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں اور یہ چیز دین اسلام میں بڑی عجیب و غریب ہے۔

اصل کتاب میں علامہ محمد ناصر الدین البانی نے حضرت عمرؓ سے منقول اثر کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ لوگ رکعات تراویح میں حضرت عمر کے قول کو ترجیح دینے والے طلاق ثلاثہ میں ان کے فتویٰ کو کیوں تسلیم نہیں کرتے۔

(حضرت عمرؓ سے مروی اقوال جن کو احناف نہیں مانتے)

مولانا نذیر احمد رحمانی مرحوم نے رکعات تراویح ص۲۴۶، ص۲۵۷ تک حضرت عمرؓ کے ان اقوال کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جن کو یہ لوگ تسلیم نہیں کرتے جو بیس رکعات کے استحباب کے قائل ہیں۔

اجمالاً سن لیجئے - حضرت عمرؓ قائل ہیں کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ ہے۔ ولی کے بغیر نکاح نہیں فجر کی نماز غلس میں پڑھی جائے۔ پگڑی اور جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ زانی کو ایک سال کے لئے جلا وطن کیا جائے۔ لیکن یہ لوگ ان تمام مسائل میں حضرت عمرؓ کے خلاف مذہب رکھتے ہیں۔

ترمذی شریف میں مختلف مقامات پر یہ اقوال مذکور ہیں:۔

درحقیقت تو یہ ہے کہ حضرات مقلدین کے سامنے اصل بنیادی حیثیت ان کے آئمہ کو حاصل ہے۔ جو آیاتِ قرآنی یا حدیث نبوی ان کے قول کے مطابق ہو وہ صحیح ہے۔ اور جو امام کے قول کے مخالف ہو، وہ منسوخ ہے یا مؤول ہے۔

چنانچہ مولانا عبدالسلام ندوی تاریخ فقہ اسلامی کے ص۲۲۱ میں امام کرخی کا قول لائے ہیں۔

امام کرخی کا قول پس وہ آیت جو اس طریقہ کے مخالف ہو جس پر ہمارے اصحاب ہیں وہ یا تو مؤول ہے یا منسوخ اور اسی طرح جو حدیث اس قسم کی ہو وہ مؤول ہے یا منسوخ۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ کتاب و سنت کو بنیاد قرار دیا جاتا اور کسی امام کا جو قول کتاب و سنت کے مخالف ہوتا اس کو چھوڑ دیا جاتا اور جو موافق ہوتا وہاں قول کو نہیں بلکہ حدیث رسول کو تسلیم کیا جاتا اور اس پر عمل کیا جاتا۔ لیکن ان کا طرزِ عمل کس قدر افسوسناک ہے۔

فما لهؤلاء القوم لا يكادون يفقهون حديثا

معلوم ہوا، اسلام میں مذہبیت کو کچھ دخل نہیں۔ صرف اتباعِ رسُول ہی نجات کا ذریعہ ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں اجماع کو پیش کرنا اور اسے حجت قرار دینا درست نہیں۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں (ولا اجماع ولا قیاس فی السنۃ) یعنی سُنّت کے مقابلہ میں اجماع اور قیاس کا کچھ اعتبار نہیں اور بیس تراویح پر اجماع کو ثابت کرنا حجت تشیر لانے کے مترادف ہے

امام ترمذی، علامہ عینی تراویح کے بارے میں آئمہ کرام سے مختلف اقوال نقل کرتے ہیں اس مسئلہ میں آئمہ کے فرضی اجماع کے بعد مختلف اقوال کا پایا جانا اجماع کے تار و پود بکھیرنے کیلئے بس کرتا ہے۔ پس وہ لوگ جو بیس تراویح کے اثبات کیلئے عرباض بن ساریہ کی حدیث کو بڑی شد و مد کے ساتھ پیش کرتے ہیں ان کیلئے پہلے ثابت کرنا ہوگا کہ حضرات خلفائے اربعہ نے بیس تراویح پڑھی ہیں۔ تب عرباض بن ساریہ کی حدیث کو پیش کرنا انہیں مفید رہے گا۔

(و اذ لیس فلیس و دونہ خرط القتاد)

چیلنج ہم برملا اپنے مؤقف کا اظہار کرتے ہوئے چیلنج کرتے ہیں کہ تراویح آٹھ رکعات سُنتِ نبوی ہیں۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں اس کا ذکر ہے اور کوئی شخص صحیح سند کے ساتھ خلفائے اربعہ کے عمل سے بیس تراویح ادا کرنا ثابت نہیں کر سکتا۔

(ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا)

رہی یہ بات کہ صحابہ کرام سے بیس رکعات تراویح پڑھنا ثابت ہے۔ اس کا جواب تفصیل کے ساتھ اصل کتاب میں موجود ہے، مطالعہ فرمائیں۔

ہم یہاں اتنی وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اگر بالفرض صحابہ کرام سے بیس رکعات تراویح پڑھنا ثابت بھی ہو جائے تو سُنتِ نبوی کے مقابلہ میں ان کا قول یا فعل حجت نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ صحابہ کرام شرعاً مفترض الطاعت نہیں اور نہ ہی وہ معصوم ہیں۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل کے ہوتے ہوئے صحابہ کرام کے قول و عمل کو ترجیح دینا اور اس پر عمل پیرا ہونا صحیح نہیں۔ ممکن ہے کہ حضرات صحابہ کرام سُنتِ نبوی سے ناواقف رہے ہوں۔ اور پھر صحابہ کرام میں مختلف مسائل میں اختلاف موجود تھا۔ اگر ہم ایک صحابی کے قول کو تسلیم کرتے ہیں تو لازماً اس کے مخالف صحابی کے قول کو تسلیم نہیں کر رہے ہیں۔ تو کیوں نہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل کو حجت قرار دیں۔ اور حضرات صحابہ کرام کے اختلاف میں کتاب و سنّت کی تصریحات کو عملی جامہ پہنائیں۔

ارشادِ خداوندی ہے۔ (فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاخر) الآیۃ

(یعنی اگر تم کسی کام میں جھگڑ پڑو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔ اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو)۔

تو جب تراویح کی رکعات کی تعداد میں مختلف اقوال کتب حدیث میں مرقوم ہیں تو کیوں نہ تمام اقوال کو چھوڑ کر اور تمام اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سُنتِ نبوی آٹھ رکعات تراویح پر عمل پیرا ہو کر سُنتِ نبوی کا احیاء کریں۔

آخری معروض

اس سے پہلے علامہ محمد ناصر الدین البانی کی کتاب تحذیر الساجد (قبروں پر مسجدیں اور اسلام) طبع ہو کر قارئین کے مطالعہ میں آچکی ہے۔ اس سلسلہ کی دوسری کتاب (صلوٰۃ التراویح للعلامہ محمد ناصر الدین البانی) کا ترجمہ پیش کر رہا ہوں مقصد صرف کتاب و سُنت کا احیاء ہے یہ سمجھتے ہوئے اور اس پر یقین رکھتے ہوئے کہ اس قسم کی خالص دینی کتابوں کے مطالعہ کی طرف عام طور پر لوگوں کا رجحان نہیں ہے صرف اللہ پاک کی رضاجوئی اور خوشنودی کے پیش نظر محنت کی ہے۔ اللہ پاک قبول فرمائے۔

(علامہ محمد ناصر الدین البانی) دمشق کے مشہور اعاظم رجال سے شمار ہوتے ہیں فنِ رجال میں ان کی بصیرت لاجواب ہے۔ رجال کی کتابیں ان کا اوڑھنا بچھونا ہیں۔ ان کی تالیفات حواشی اور تخریجات کی کتابیں اپنی معلومات کی حد تک (قبروں پہ مسجدیں اور اسلام) میں ذکر کر چکا ہوں۔ اس کے بعد دورانِ مطالعہ جن مزید کتابوں سے مجھے آگاہی حاصل ہوئی انکی فہرست ہدیۂ قارئین ہے۔

(۱) تخریج فضل الصلوٰۃ علی النبی للقاضی محمد اسماعیل مطبوع (۲) تصحیح حدیث افطار الصائم مطبوع۔ (۳) الحوض المورود فی زوائد منتقی ابن الجارود غیر مطبوع۔ (۴) نقد نصوص حدیثیۃ فی الثقافۃ العامۃ للشیخ الکتانی مطبوع (۵) الاجوبۃ النافعۃ عن اسئلۃ لجنۃ مسجد الجامعۃ مطبوع (۶) احادیث البیوع وآثارہ غیر مطبوع۔ (۷) تخریج احادیث الحلال والحرام للاستاذ القرضاوی غیر مطبوع۔ (۸) تخریج احادیث حل مشکلۃ الفقر لہ غیر مطبوع۔ (۹) تخریج

الایمان لابن قتیبۃ مطبوع - (۱۰) تخریج الروضۃ الندیۃ للنواب صدیق حسن خان غیر مطبوع - (۱۱) تخریج الصیام لابن تیمیہ مطبوع - (۱۲) حاشیۃ التنکیل بما فی التانیب من الاباطیل -

آخر میں میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ مشیّتِ خداوندی اگر ساتھ نہ دیتی اور توفیق ایزدی شاملِ حال نہ ہوتی تو یقیناً راقم السطور اپنے مقصود میں کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکتا - اور اپنے اساتذہ، دوستوں، تلامذہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے میری طرف دستِ تعاون دراز کیا اور مجھے اس قابل بنایا کہ میں تمام مراحل سے گذر کر اس کتاب کو آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں - وفقنی اللّٰہ و ایاھم وسائر المسلمین للتقویٰ -

العبد محمد صادق خلیل المدیر ضیاء السنۃ ادارۃ الترجمہ والتالیف

محلہ رحمت آباد شیخوپورہ روڈ - لائل پور

۴ شعبان المعظم ۱۳۹۵ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد للّٰہ الذی ۔ جعل الدلیل علی محبتہ اتباع ھدی نبیہ فقال عزّ من قائل (قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فا تبعونی یحببکم اللّٰہ و یغفر لکم ذنوبکم) وصلّی اللّٰہ وسلّم علی سیدنا و اُسوتنا محمد القائل فیما صحّ عنہ " صلّوا کما رأیتمونی اصلّی و علی آلہ وصحبہ الذین اُحبوہ فاتبعوہ، ونقلوا الینا حدیثہ وحفظوہ وعلی من تبعھم علی ھداھم وسلک سبیلھم الیٰ یوم الدین ۔

اما بعد تسدید الاصابہ الی من زعم نصرۃ الخلفا الراشدین والصحابہ نامی کتاب چھ رسائل پر مشتمل ہے ۔ اور الاصابہ فی نصرۃ الخلفاء الراشدین والصحابہ کتاب کے ردّ میں تحریر کی گئی ہے ۔ غلطیوں اور کذب بیانیوں کو بیان کرنے کی ضرورت اس لئے محسوس کی گئی کہ اس کتاب کے مؤلفین نے ہمیں ہدفِ مطاعن بنایا ۔ لیکن بحمد للّٰہ یہ لوگ اپنی کوششوں میں ناکام رہے ۔ جیسا کہ اس رسالہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت الم نشرح ہو رہی ہے ۔

اس رسالہ کے مندرجات کو مختلف مکتبِ فکر رکھنے والے تقریباً تمام علماء نے سراہا اور شرفِ قبولیت سے نوازا ۔ شاید اس لئے کہ ہم نے اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ مسائل کی تحقیق میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے ۔

خصوصاً ان کے ردّ میں نہ صرف یہ کہ ان پر کسی قسم کی کوئی زیادتی نہیں کی گئی ۔ اور نہ ان جیسا تلخ لہجہ اختیار کیا گیا ہے ۔ بلکہ پوری کوشش کی گئی ہے کہ ہمارا قلم راہِ اعتدال سے بھٹکنے نہ پائے ۔ بارگاہِ ربّ العزت میں یہ فقیر درخواست پیش کرتا ہے کہ یہ حقیر ہدیہ شرفِ قبولیت سے بہرہ وَر ہو اور آخرت کا ذخیرہ ہو ۔

(جس دن مال و اولاد کچھ فائدہ نہیں دے سکیں گے ۔ البتہ وہ انسان کامیاب ہے جو بارگاہِ ربّ العزت میں قلبِ سلیم لیکر پہنچا)

پس اس رسالہ میں نماز تراویح کے متعلق عموماً اور رکعات تراویح کے تعین کے

کے بارے میں خصوصاً تحقیقی بحث پیش کی جا رہی ہے۔ اس لئے کہ "الاصابۃ" کے مؤلفین نے اس رسالہ کے صـ ۶ پر بیس رکعات تراویح پڑھنے پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر خلفاء راشدین کا ہمیشہ کا معمول پیش کیا ہے۔ اسی طرح صـ ۱۲ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف نماز تراویح کی جماعت کا حکم دینے کو بدعت کا نام دے کر پیش کیا ہے۔ پھر صـ ۴۰ پر علامہ عز بن عبد السلامؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ نماز تراویح کی جماعت کو مستحب بدعات میں شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ علامہ عز بن عبد السلام مطلقاً نماز تراویح کو باجماعت ادا کرنا اور بیس رکعات پڑھنا دونوں کو بدعت قرار دیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ الاصابۃ کے مؤلفین نے علامہ عز بن عبد السلام کی عبارت سے اپنے مقصد کی بات کو تو نقل کر دیا ہے اور جس بات سے ان کے مسلک کو زک پہنچتی تھی۔ اس کے نقل کرنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔

ایک مثال

علامہ عز بن عبد السلام نے بدعات کی پانچ قسمیں ذکر فرمائی ہیں اور ان کی امثلہ بھی بیان کی ہیں۔ لیکن ان لوگوں نے بدعتِ مکروہہ کے علاوہ باقی چار قسموں کی امثلہ ذکر کی ہیں۔ معلوم ہوا کہ انہوں نے جان بوجھ کر علمی بددیانتی کا مظاہرہ کیا ہے۔ حالانکہ علامہ عز بن عبد السلام نے القواعد[1] میں بدعتِ مکروہہ کی امثلہ گنواتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ مساجد کو مسرفانہ انداز میں مزین کرنا اور قرآن پاک کو سونے کے پانی سے منقش کرنا بدعاتِ مکروہہ سے ہے۔

پس ہمیں اس بات کے معلوم کرنے میں قطعاً کوئی دشواری نہیں ہے کہ اگر ان لوگوں نے جب بدعات کی دیگر اقسام کی امثلہ کا ذکر کیا ہے تو بدعتِ مکروہہ کی مثال کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ الاصابۃ کتاب کے ٹائیٹل پر فخریہ انداز میں ان کے نام کے ساتھ "امام جامع الروضۃ دمشق" کا لقب موجود ہے۔ مسجد کی عالیشان عمارت پتہ دے رہی ہے کہ اہلِ ثروت حضرات نے خطیر رقم صرف فرما کر اس کو تعمیر کیا ہے۔ مسرفانہ انداز میں اس کو منقش اور مزین بنانے میں نہایت بے دردی کے ساتھ پانی کی طرح روپیہ بہایا گیا ہے۔ اور جامع مسجد کے امام الاصابہ کے مؤلفین کے ایک رکن اس فضول خرچی اور

---

[1] صـ (۱۹۶/۲)

بدعتِ مکروہ کے ارتکاب پر چپ رہے اور ان لوگوں کے اس مکروہ فعل پر ایک حرف بھی زبان پر نہ لا سکے۔ اس سے زیادہ کتمان علم کی اور صورت کیا ہو سکتی ہے۔ لو کانوا یعلمون۔

عبداللہ بن مسعود کا قول :

عبداللہ بن مسعود کا فرمان کس قدر صحیح ہے :-

کیف[1] انتم اذا لبستکم فتنة یهرم فیها الکبیر ویربو فیها الصغیر یتخذها الناس سنة اذا ترك منها شیئ. قیل ترلت السنة قالوا ومتی ذالك؟ قال اذا ذهبت علماؤکم وکثرت قراءکم وقلت امناؤکم والتمست الدنیا بعمل الاخرة وتفقه لغیر الدین۔

اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب تم کو ایک فتنہ (المباعرضہ) ڈھانپ رکھے گا۔ جس میں ادھیڑ عمر لوگ بوڑھے ہو جائیں گے اور بچے جوان ہو جائیں گے۔ لوگ فتنہ کو معمول سمجھنے لگیں گے جب دورِ فتنہ کی کسی چیز کو لوگ ترک کر دیں گے تو عوام کہنا شروع کر دیں گے کہ سنت کو چھوڑا جا رہا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ فتنے کا دور کب آئے گا۔ آپؓ نے فرمایا جب علماء ختم ہو جائیں گے۔ قاریوں کی کثرت ہو گی۔ فقہا قلیل تعداد میں رہ جائیں گے، مالدار زیادہ ہو جائیں گے، امانت دار لوگ کم رہ جائیں گے اور دنیا کو آخرت کے بارے حاصل کیا جائے گا اور غیر اسلامی علوم کے حصول کی طرف توجہ بڑھ جائے گی۔

مذکورۃ الصدر اثر اگرچہ موقوف ہے لیکن حکماً اس کو مرفوع سمجھا جائے گا۔ ظاہر ہے اس میں مستقبل کے جن امور کے وقوع پذیر ہونے کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ان کا علم وحی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ یہ چیزیں تو مشکواۃ نبوت سے ہی معلوم ہو سکتی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ دور میں اس اثر کا ایک ایک جملہ تحقیق پذیر ہو چکا ہے۔ خصوصاً سنت اور بدعت کے بارے میں جس ہیئت کذائی کا ذکر کیا گیا ہے اس کی صحیح شکل معاشرہ میں رقصاں کرتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ آہ! کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ وہ لوگ جو سنتِ رسول کے شیدائی ہیں اور بدعت

---

[1] دارمی (۱/۶۰) باسنادین احدهما صحیح والثانی حسن۔ حاکم (۴/۱۱) ابن عبداللہ۔ فی جامع بیان العلم (۱/۱۸۸)

تنفر اختیار کرتے ہیں۔ آج کے اس دور میں تارکینِ سُنّت ان کو تارکِ سُنّت کے لقب کے ساتھ پکار رہے ہیں۔ اور ان پر بدعتی ہونے کی مہر ثبت کی جا رہی ہے۔ اہلِ سُنّت کو محض اس لئے بدعتی کے نام کے ساتھ موسوم کیا جا رہا ہے کہ یہ لوگ بدعتیوں کی مروجہ بدعات کے خلاف صف آرا ء رہتے ہیں اور ان کو راہِ راست پر لانے کے لئے نبرد آزما رہتے ہیں اور کھلم کھلا اس بات کی تشہیر کرتے ہیں کہ یہ لوگ بدعات کو سُنّت کا نام دیکر عوام الناس کو دھوکہ میں ڈال رہے ہیں۔
چنانچہ مبتدعین کا رسالہ الاصابہ ان کے بدعات کا البم (ALBUM) ہے۔

پس مبتدعین جو بزعم خویش صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مداحوں کے زمرہ میں ہونے کے مدعی ہیں۔ انہیں معلوم نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب مسجدِ نبوی کی توسیع کا حکم دیا تھا تو کہا تھا کہ میرا مقصد جدید تعمیر سے صرف اتنا ہے کہ لوگ بارش سے محفوظ ہو جائیں گے۔ لیکن خیال رکھنا کہ مسجد کو مزین بنانے، دلکش سُرخ زرد رنگوں کے استعمال کرنے سے احتراز کرنا ہوگا[1]۔ اسی طرح عبد اللہ بن عباس کا قول ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم مساجد کو بالکل اسی طرح مزین و منقش کرنے کی کوششیں کرتے ہو جس طرح یہود و نصاریٰ بے جا زیبائش و آرائش میں مبالغہ آمیزی سے کام لیتے تھے[2]۔ دونوں اقوال بخاری میں تعلیقاً موجود ہیں۔ نیز تمام صحابہ کرام بالاتفاق اس بات کے قائل ہیں کہ تعمیرِ مساجد میں اسراف و تبذیر سے احتراز کیا جائے۔

پس صحابہ کرام کی موافقت کا دم بھرنے والے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس قدر فضول خرچی کو کیسے گوارا کر رہے ہیں۔ ان کی دینی حمیت کیوں اتنی سرد پڑ گئی ہے۔ علامہ عز بن عبد السلام اور دیگر بلند پایہ محدثین کی طرح ان کو بھی اس کی مکروہیت کا فتویٰ صادر کر دینا چاہیئے تھا اور اگر یہ لوگ اس کے برملا اظہار سے خائف ہیں تو ہم اس بات کے کہنے میں حق بجانب ہیں کہ جن لوگوں نے "الاصابہ" کو ترتیب دیا ہے، ان کا بیس تراویح کو بدعت نہ کہنا عوام الناس کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے ہے۔ اور علامہ عز بن عبد السلام کی عبارت سے ناانصافی کا جاہلانہ مظاہرہ ہے۔ نیز کتمان علم کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر الزام

الاصابہ کے ص۹ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں تحریر موجود ہے کہ تراویح

---

۱ بخاری (۱/۶۲۰)   ۲ (۱/۲۴۸)

کی جماعت کی بدعت کا آغاز ان سے ہوا ہے۔ لیکن اگر حقیقت بین نگاہوں سے دیکھا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ تراویح کی جماعت کا آغاز ان سے نہیں ہوا۔ البتہ انہوں نے تراویح کی جماعت کو مستقلاً مداومت کی شکل دیکر بہترین مثال قائم کی ہے۔ پس جو شخص بھی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دلدادہ ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اس کے احیاء کے لئے بھرپور جدو جہد کرے۔ لیکن بیس رکعات تراویح کو نہ انہوں نے جاری فرمایا اور نہ ہی دیگر خلفاء راشدین سے اس کا صحیح ثبوت ملتا ہے۔ چونکہ ہم خطرہ محسوس کر رہے تھے کہ الاصابہ کے مؤلفین کے غلط بیانات سے عوام الناس دھوکہ کھا جائیں گے۔ اس لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ اصل حقیقت لوگوں کے سامنے پیش کر دی جائے کہ حضرت عمر کا تراویح کے لئے جماعت کا حکم دینا بدعت نہیں ہے اور نہ ہی اس کو بدعت حسنہ کے نام سے موسوم کیا جائے تمام علماء کا متفقہ قول ہے۔ (الاتباع خیر من الابتداع) راہ سنت اختیار کرنا راہ بدعت سے بہتر ہے اگرچہ راہ بدعت بالفرض بہتر ہی کیوں نہ ہو چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ (القصد[1] فی السنۃ خیر من الاجتھاد فی البدعۃ[2]) (سنت میں میانہ روی اختیار کرنا بدعت میں پوری سرگرمی دکھانے سے بہتر ہے)

ان مبتدعین کا اس سے زیادہ ظلم اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ ایک طرف تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بدعتی ہونے کا لقب دے رہے ہیں تو دوسری طرف ہم پہ الزام تراشی کرتے ہیں کہ ہم بھی (معاذ اللہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بدعتی کہتے ہیں۔ حاشا وکلا کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔ مزید برآں کس قدر تعجب انگیز بات ہے کہ انہوں نے کذب بیانی کرتے ہوئے ایک ایسا گھناؤنا الزام تھوپنے کی کوشش کی ہے۔ جس کے مقابلہ میں سابقہ الزام بالکل معمولی ہے کہ ہم (نعوذ باللہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملعون قرار دیتے ہیں اور دیگر سلف صالحین پر بھی لعنت بھیجتے ہیں۔ چنانچہ (الاصابہ) رسالہ کے صفحہ ا پہ جہاں ہمیں (یا مضلل السلف) (اے سلف کو گمراہ کہنے والے) جیسے قبیح لقب کے ساتھ ملقب کیا گیا تو صفحہ ۸ پر (لعنوا اول ھذہ الامۃ وآخرھا)۔ (یہ لوگ امت محمدیہ کے اسلاف اور متاخرین پر لعنت بھیجتے ہیں)۔

---

[1] قصد افراط کی ضد ہے۔ اس کا مرتبہ اسراف اور بخل کے درمیان ہے۔

[2] عبداللہ بن مسعود کا اثر صحیح ہے۔ دارمی (۱/۷۲) بیہقی (۳/۱۹) حاکم (۱/۱۰۳) حاکم نے صحیح کہا۔ ذہبی نے بھی اس کی موافقت کی ہے۔

کے ریمارکس دیئے ہیں۔ فانا للہ و انا الیہ راجعون حسبنا اللہ ونعم الوکیل
خدا کی قسم ان سے زیادہ کوئی شخص نہیں دیکھا گیا جو بے گناہ انسانوں پر ایسے سنگین اتہامات لگاتا ہو
اللہ پاک ان کے حالات کی اصلاح فرمائے اور انہیں سیدھے راہ کی ہدایت فرمائے آمین!

ہمارا حال تو شاعر کے ذیل کے مضمون کے ساتھ کس قدر مشابہ ہے۔

غیری جنیٰ وانا المعذب فیکم ۔ میرا غیر قصور وار ہے لیکن سزا مجھے مل رہی
فکاننی سبابۃ المتندم ۔ ہے۔ شاید میرا قصور یہ ہے کہ میں کسی (گناہ) پر
نادم انسان کو برا بھلا کہہ رہا ہوں۔

ایک دوسرا شاعر اسی ہی مضمون کو کس قدر احسن انداز میں پیش کر رہا ہے۔

فکلفتنی ذنب امرئ وترکتہ ۔ آپ کسی کے گناہ کو مجھ پر تھوپ رہے ہو لیکن
کذی العر یکوی غیرہ وھو راتع ۔ مجرم کو چھوڑ رہے ہو۔ جیسا کہ خارش زدہ
اونٹ کو چھوڑ دیا جائے اور تندرست اونٹ کو داغا جائے۔ (پس یہ کتاب آٹھ فصول پر مشتمل ہے)

فصل اوّل: تراویح کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا مستحب ہے۔

فصل ثانی: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی گیارہ رکعات سے زیادہ تراویح نہیں پڑھی

فصل ثالث: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گیارہ سے زیادہ نہ پڑھنا زیادہ کے عدم جواز پر دال ہے۔

فصل رابع: حضرت عمرؓ کا تراویح کی جماعت کی سنت کو زندہ کرنا۔ نیز گیارہ رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دینا۔

فصل خامس: کسی صحابی سے بیس تراویح پڑھنا صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں۔

فصل سادس: گیارہ رکعات تراویح کے التزام کے وجوب پر دلیل۔

فصل سابع: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز وتر ادا کرنے کی کیفیات۔

فصل ثامن: نماز کو احسن انداز میں ادا کرنے کی رغبت دلانا۔ نیز عجلت اور غفلت کے ساتھ ادا کرنے سے ڈرانا۔

ان ابحاث کے ذیل میں کچھ فروعی مسائل فقہی استنباطات جدید مفید تحقیقات کا تذکرہ قارئین کے لئے یقیناً دلچسپی کا سامان فراہم کرے گا۔ اسأل اللہ ان یوفقنی للحق فیما کتبتہ وفی غیرھا وان یجعلہا خالصۃ لوجہہ الکریم وینفع

بها اخوانی المؤمنین انه هو البر الرحیم۔ (دمشق بروز ہفتہ ۱۳۷۷/۹/۴ ھجری)

(ابو عبدالرحمٰن محمد ناصر الدین الالبانی)

فصل اوّل :۔ نماز تراویح کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا مستحب ہے۔

بلا شک و شبہ اس بات کو تسلیم کرنا ضروری ہے کہ رمضان المبارک میں رات کی نفلی نماز (جس کو عرف عام میں نماز تراویح کہا جاتا ہے) کو تین وجوہ کے پیش نظر با جماعت ادا کرنا مستحب ہے۔

وجہ اوّل :۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی جماعت کو برقرار رکھا جیسا کہ ثعلبہ بن ابی طالب مالک قرظی کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ فی رمضان فرای ناسًا فی ناحیۃ المسجد یصلون فقال ما یصنع ھؤلاء؟ قال قائل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھؤلاء ناس لیس معھم قرآن و ابی بن کعب یقرء وھم معہ یصلون بصلاتہ فقال قد احسنوا او قد اصابوا ولم یکرہ ذالك لھم[1]۔

ثعلبہ بن ابی مالک قرظی بیان کرتے ہیں کہ رمضان کی ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے۔ آپ نے مسجد میں کچھ لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ فرمانے لگے یہ لوگ کیا کر رہے ہیں کسی نے جواب دیا۔ یا رسول اللہ ان لوگوں کو قرآن یاد نہیں۔ چنانچہ ابی بن کعب کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے ہیں تو اس پر آپ نے ان کے اس فعل کو مستحسن قرار دیا اور اسے معیوب نہ سمجھا۔

وجہ ثانی :۔ خود آنحضرت کا جماعت کرانا ثابت ہے۔

چنانچہ اس کتاب کے اثبات میں چند حدیثیں پیش خدمت ہیں۔

پہلی حدیث :۔ عن النعمان

نعمان بن بشیر بیان کرتے ہیں کہ ہم نے

---

[1] بیہقی (۲/۴۹۵) بیہقی نے اس کو مرسل حسن کہا۔ یہ روایت ابو ہریرہ سے موصولاً ایک دوسری سند کے ساتھ (جس کو متابعات و شواہد میں درست سمجھا جاتا ہے) ۔ قیام اللیل ص۹۰ ابوداؤد (۱/۲۱۷) اور بیہقی میں موجود ہے۔

199

بن بشیر قال قمنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ ثلاث وعشرین فی شہر رمضان الی ثلث اللیل الاول ثم قمنا معہ لیلۃ خمس عشرین الی نصف اللیل ثم قام بنا لیلۃ سبع وعشرین حتی ظننا ان لا ندرک الفلاح قال وکنا ندعوا لسحور الفلاح[1]

۲۳ رمضان المبارک کی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثلث لیل تک قیام کیا۔ پھر ۲۵ کی رات نصف اللیل تک پھر ۲۷ کی رات ہم نے آپ کے ساتھ اتنا لمبا قیام کیا کہ ہمیں برابر یہ خیال دامنگیر رہا کہ ہم سحری کا کھانا نہیں کھا سکیں گے

امام حاکم اس حدیث کو صحیح قرار دینے کے بعد رقمطراز ہیں کہ اس حدیث سے واضح ثبوت مل رہا ہے کہ تراویح کا باجماعت پڑھنا مسنون ہے۔ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ جماعت کی رغبت دلاتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مستقلاً تراویح کی جماعت کو مداومت کی صورت بخشی

دوسری حدیث:- عن انس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان فجئت فقمت الی جنبہ ثم جاء آخر ثم جاء آخر حتی کنا رھطا فلما احس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا خلفہ تجوز فی الصلوٰۃ ثم دخل منزلہ فلما دخل صلی صلوٰۃ لم یصلہا عندنا فلما اصبحنا قلنا یا رسول اللہ افطنت لنا البارحۃ فقال نعم وذالک الذی حملنی علی ما صنعت۔[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں نفل نماز پڑھ رہے تھے۔ میں آیا اور آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ پھر دوسرا تیسرا آیا۔ یہاں تک کہ ہم تقریباً آٹھ نو افراد ہو گئے پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ ہم آپ کے پیچھے نفل پڑھ رہے ہیں تو آپ نے نماز میں (خلاف معمول) تخفیف فرمائی۔ گھر میں داخل ہو کر مزید نفل نماز پڑھی۔ صبح ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کل رات آپ نے ہمیں معلوم کر لیا تھا۔ فرمانے لگے اسی لئے تو میں نے کیا جو کیا

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۹۰/۲) قیام اللیل ابن نصر (۸۹) نسائی (۱/۲۳۸) ا... (۲۷۲/۴) فریابی فی الرابع و للخامس من کتاب الصیام (۲/۷۲/۱) واسناد صحیح وصححہ الحاکم (۱/۴۴۰)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پہ دیکھیں)

تیسری حدیث :- عن عائشة قالت کان الناس یصلون فی مسجد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رمضان باللیل اوزاعًا یکون مع الرجل شیٔ من القرآن فیکون معہ النفر الخمسة والستة او اقل من ذالك او اکثر فیصلون بصلوتہ فامرنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لیلة من ذالك ان انصب لہ حصیرًا علیٰ باب حجرتی ففعلت فخرج الیہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بعد ان صلی العشاء الآخرة - قالت فاجتمع الیہ من فی المسجد فصلی بھم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لیلاً طویلاً ثم انصرف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فدخل وترك الحصیر علیٰ حالہ فلما صبح الناس تحدثوا بصلوٰة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بمن کان معہ فی المسجد تلك اللیلة فاجتمع اکثر منھم دامسی المسجد راجًا بالناس فخرج رسول اللّٰہ

عائشہ رضی اللّٰہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ لوگ ماہ رمضان المبارک میں رات کے نوافل مسجد نبوی میں ٹولیاں بنا کر پڑھتے جس آدمی کو جتنا قرآن یاد ہوتا اس کی اقتدا میں پانچ یا چھ یا کم و بیش افراد نوافل پڑھتے - چنانچہ ایک رات رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم نے میرے حجرے کے سامنے چٹائی کا حجرہ بنانے یا چٹائی بچھانے کا حکم دیا میں نے تعمیلِ ارشاد کیا - جونہی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کے بعد اس حجرہ میں تشریف لائے تو لوگ بھی آپ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کے لئے جمع ہونے لگے - پس آپ نے لمبی قرأت اور تعدیل ارکان کے ساتھ نماز پڑھائی - نماز سے فارغ ہو کر آپ میرے حجرہ میں تشریف لے آئے اور چٹائی کا حجرہ بدستور وہیں رہا - صبح لوگوں میں رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی نماز کا عام چرچا تھا - چنانچہ دوسری رات پہلے سے بھی زیادہ تعداد میں لوگ آ گئے - اژدہام کی وجہ سے مسجد گونج رہی تھی - آپ کی اقتدا میں لوگوں نے نماز پڑھی - صبح لوگوں میں آپ کی نماز کا

(بقیہ صفحہ گذشتہ) [۲] احمد (۳/۱۹۹، ۲۱۲، ۲۹۱) ابن نصر (۸۹) بسند من صحیحین والطبرانی فی الاوسط بنحوہ کما فی "المجمع" (۱۷۳/۳) واظنہ فی صحیح مسلم فلینظر - ماوجدتہ فی صحیح مسلم مترجم

صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی اللیلۃ الثانیہ فصلوا بصلوتہ فاصبح الناس یذکرون ذالک فکثر اھل المسجد حتی اغتص باھلہ من اللیلۃ الثالثۃ فخرج فصلوا بصلواتہ فلما کانت اللیلۃ الرابعۃ عجز المسجد عن اھلہ فصلی بھم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم العشاء الاخرۃ۔ ثم دخل بیتہ وثبت الناس قالت فقال لی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ما شان الناس یا عائشہ۔ قالت فقلت لہ یارسول اللّٰہ سمع الناس بصلوٰتک البارحۃ بمن کان فی المسجد فحشدوا لذالک لتصلی بھم قالت فقال اطوعنا حصیرک یا عائشہ۔ قالت ففعلت وبات رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ غیر غافل وثبت الناس مکانھم فطفق رجال منھم یقولون الصلواۃ حتی خرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الی الصبح فلما قضی الفجر اقبل علی الناس ثم تشھد فقال اما بعد ایھا الناس اما واللّٰہ ما بت والحمد للّٰہ لیلتی ھذہٖ غافلا وما خفی علی مکانکم ولکن تخوفت ان یفترض علیکم وفی روایۃ ولکن خشیت ان تفرض

عام چرچا تھا۔

چنانچہ تیسری رات اس کثرت کے ساتھ لوگ نماز کی ادائیگی کے لئے پہنچ گئے کہ مسجد میں سخت بھیڑ ہوگئی۔ آپ تشریف لائے۔ لوگوں نے آپ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ لیکن چوتھی رات لوگ اس کثرت کے ساتھ آئے کہ مسجد میں ان کا سمانا مشکل ہوگیا۔ اس رات رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عشا کی نماز پڑھانے کے بعد گھر چلے گئے۔ اور لوگ رات بھر مسجد میں رہے۔ چنانچہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے لوگوں کے بارے میں استفسار کیا۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا یارسول اللّٰہ آپ کے گذشتہ رات نوافل پڑھانے کی بنا پر آج رات بھی لوگ جمع ہوگئے ہیں۔ اس پر آپ نے حضرت عائشہ سے چٹائی کا حجرہ اتار دینے کا حکم دیا۔ حضرت عائشہ تعمیل ارشاد کرتی ہیں۔ اس رات لوگ مسجد نبوی میں الصلواۃ الصلواۃ کی صدائیں بلند کرتے رہے۔ آپ بھی ان کے حال کو خوب جانتے تھے۔ صبح کی نماز پڑھانے کے لئے آپ تشریف لائے۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا کہ میں تمہارے حال

علیکم۔ صلوٰۃ اللیل فتعجزوا عنھا فاکلفوا من الاعمال ما تطیقون فان اللہ لا یمل حتی تملوا زاد فی روایۃ اخری قال الزھری فتوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والناس علی ذالک ثم کان الامر علی ذالک فی خلافۃ ابی بکر وصدرا من خلافۃ عمرؓ۔

سے بے خبر نہ تھا۔ تمہارا مسجد میں جمع ہونا مجھے معلوم تھا۔ لیکن مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں تم پر باجماعت تراویح ادا کرنا فرض نہ ہوجائے۔ اور تم اس کی ادائیگی سے عاجز نہ آجاؤ۔ پس طاقت کے مطابق عمل کرو۔ ظاہر ہے کہ اللہ پاک تو تھکاوٹ سے منزہ ہے لیکن تم ضرور تھکاوٹ محسوس کرو گے۔

ایک دوسری روایت میں امام زہری فرماتے ہیں کہ آپ فوت ہوگئے اور لوگ اس طریق پر رہے بلکہ عہدِ صدّیقی اور عہدِ فاروقی کے آغاز میں لوگ اسی راہ پہ گامزن رہے۔

پس یہ حدیث صلوٰۃ تراویح کی جماعت کی مشروعیّت پر ظاہراً دلالت کررہی ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین راتوں میں مسلسل تراویح کی جماعت کرائی اور چوتھی رات آپ کا باجماعت ادا نہ فرمانا اس کے مخالف نہیں ہے۔ اس لئے کہ آپ نے اس کی تعلیل بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں نے رات تراویح کی جماعت اس خدشہ کے پیشِ نظر نہیں کرائی کہ کہیں باجماعت تراویح پڑھنا فرض نہ ہوجائے۔ ظاہر ہے کہ آپ کی وفات کے بعد یہ خطرہ ختم ہوگیا پس علت کے زوال سے معلول زائل ہوگیا اور جماعت کی مشروعیّت ثابت رہی۔ اسی لئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جماعت کی مشروعیت کا احیاء فرمایا۔ چنانچہ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔

---

[1] حافظ ابن حجر بیان فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد تراویح کی جماعت نہیں ہوتی تھی لیکن صحیح بات یوں معلوم ہوتی ہے کہ لوگ مسجد میں گروہوں کی شکل میں مختلف آئمہ کی اقتدا میں باجماعت تراویح پڑھتے رہے جیسا کہ ـــــ حدیث کے ابتدائی حصہ سے یہ مفہوم معلوم ہو رہا ہے۔

[2] بخاری (۳/۱۰۸، ۴/۲۰۳، ۲۰۵) مسلم (۲/۱۷۷، ۱۷۸، ۱۸۸، ۱۸۹) ابوداود (۱/۲۱۷) نسائی (۱/۲۳۸) الفریابی فی الصیام (۲/۷۳، ۱/۷۴، ۱/۷۵) ابن نصر و احمد (۶/۶۱، ۱۶۹ تا ۱۷۷، ۱۸۲، ۲۳۲، ۲۶۷) والسیاق لھما۔

چوتھی حدیث:- عن حذیفة بن الیمان قال قام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ذات لیلة فی رمضان فی حجرة من جرید النخل ثم صب علیہ دلواً من ماءٍ ثم قال اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر ثلاثا ذا الملکوت والجبروت والکبریاء والعظمة ثم قرأ البقرة قال ثم رکع فکان رکوعہ مثل قیامہ فجعل یقول فی رکوعہ سبحان ربی العظیم ـ سبحان ربی العظیم مثل ما کان قائماً ثم رفع راسہ من الرکوع فقام مثل رکوعہ فقال لربی الحمد ثم سجد وکان سجودہ مثل قیامہ وکان یقول فی سجودہ سبحان ربی الاعلیٰ ثم رفع راسہ من سجود ثم جلس وکان یقول بین السجدتین رب اغفرلی رب اغفرلی جلس بقدر سجودہ ثم سجد فقال سبحان ربی الاعلیٰ مثل ما کان قائما فصلی اربع رکعات یقرء فیھن البقرة وآل عمران والنساء والمائدة والانعام حتی جاء بلال فاذنہ بالصلوٰة[1]

حذیفہ بن یمان بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی ایک رات کھجور کی پتیوں سے بنے ہوئے حجرے میں قیام کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ (اوّلاً) آپ نے اپنے جسد مبارک پر ایک ڈول پانی ڈالا۔ پھر آپ نے اللہ اکبر اللہ اکبر ذا الملکوت والجبروت والکبریاء والعظمة کے کلمات تین بار دہرائے۔ پہلی رکعت میں سورہ بقرہ تلاوت فرمائی۔ رکوع میں قیام کے برابر سبحان ربی العظیم مسلسل پڑھتے رہے پھر رکوع کے بعد قومہ میں رکوع جتنا عرصہ کھڑے رہے اور لربی الحمد کے کلمات بار بار دہراتے رہے۔ پھر حالتِ سجدہ میں قیام کے وقت کے برابر سبحان ربی الاعلیٰ کے کلمات دہراتے رہے۔ پھر سجدہ سے سر اُٹھا کر سجدہ کے وقت کے برابر بیٹھے رہے اور رب اغفرلی کے دعائیہ کلمات پڑھتے رہے پھر دوسرے سجدہ میں قیام کے وقت کے برابر سبحان ربی الاعلیٰ کا ورد فرماتے رہے۔ چنانچہ اس کیفیت کے مطابق آپ نے چار رکعت نوافل ادا فرمائے جن میں بقرہ، آل عمران، النساء، المائدہ

---

[1] ابن ابی شیبة (۲/۹۰/۲) ابن نصر (۸۹ - ۹۰) نسائی (۱/۲۴۶) احمد (۵/۴۰۰) طریق طلحة بن یزید الانصاری عن حذیفة یزید بعضھم علی بعض وروی ..نہ الترمذی (۱/۳۰۳) ابن ماجہ (۱/۲۹۰) حاکم (۱/۲۷۱) (باقی اگلے صفحہ پر)

الانعام سورتیں تلاوت فرمائیں۔ جب آپ فارغ ہو گئے تو بلال نے آپکو صبح کی نماز کیلئے اطلاع دی۔[1]

تیسری وجہ:۔ قال ابو ذر رضی اللہ عنہ صمنا فلم یصل صلی اللہ علیہ وسلم بنا حتی بقی سبع من الشھر۔ فقام بنا حتی ذھب ثلث اللیل ثم لم یقم بنا فی السادسۃ وقام بنا فی الخامسۃ حتی ذھب شطر اللیل فقلنا یارسول اللہ لو نفلتنا بقیۃ لیلتنا ھذہ فقال انہ من قام مع الامام حتی ینصرف کتب لہ قیام لیلۃ ثم لم یصل بنا حتی بقی ثلاث من الشھر فصلی بنا فی الثالثۃ ودعا اھلہ ونساءہ فقام بنا حتی تخوفنا الفلاح قلت وما الفلاح قال السحور۔[1]

ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم روزے رکھتے رہے لیکن آپ نے ہمیں باجماعت تراویح نہ پڑھائی یہاں تک کہ رمضان المبارک سے سات راتیں باقی رہ گئیں تو اس رات آپ نے ثلث رات تک قیام فرمایا۔ پھر چھٹی رات آپ نے جماعت نہ کرائی۔ البتہ پانچویں رات ہم نے آپ کے ساتھ آدھی رات تک قیام کیا۔ البتہ ہم نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ کس قدر اچھا ہوتا اگر آپ بقیہ رات بھی قیام فرماتے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ جو شخص امام کے ساتھ نوافل کا قیام کرتا ہے اس کو تمام رات کے قیام کا

(بقیہ حاشیہ) القول بین السبکتین وصححہ و وافقہ الذھبی ورجالہ ثقات لکن اعلہ النسائی لقولہ وھو مرسل۔ وطلحہ بن یزید لا اعلمہ سمع من حذیفۃ شیئاً۔ قلت: قد وصلہ عمرو بن مرۃ عن ابی حمزۃ وھو طلحۃ بن یزید عن رجل من عبس۔ شعبۃ یری انہ من صلۃ بن زفر عن حذیفۃ اخرجہ۔ ابو داؤد (۱/ ۱۳۹ - ۱۴۰) نسائی (۱/ ۱۷۲) الطحاوی فی "رد المشکل" (۱/ ۳۰۸) الطیالسی (۱/ ۱۱۵) وعنہ البیھقی (۲/ ۱۲۱، ۱۲۲) واحمد (۵/ ۳۹۸) والبغوی فی "حدیث علی بن الجعد" (۱/ ۴/ ۲) عن شعبہ عن عمرو بہ۔ وسندہ صحیح و رواہ مسلم (۲/ ۱۸۶) من طریق المستورد بن الاحنف عن صلۃ بن زفر بہ نحوہ مع زیادۃ ونقص ومغایرۃ فی بعضہ [2] اس حدیث کے راوی حذیفہ بن یمان آپ کی رات کی نفلی نماز کی کیفیت اسی وقت نقل کر سکتا ہے جبکہ وہ آپ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا ہو۔ پس معلوم ہوا کہ آپ نوافل کی جماعت کرتے تھے۔ ۱۲ مترجم۔ [1] ابن ابی شیبہ (۲/ ۹۰/ ۲۱) (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ثواب حاصل ہوتا ہے۔ پھر آپ نے تیسری رات کے قیام میں اپنے گھر والوں اور عورتوں کو جمع فرما کر اتنا لمبا قیام فرمایا کہ ہمیں خطرہ لاحق ہو گیا کہ سحری کا کھانا بھی نہ کھایا جا سکے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص جماعت کے ساتھ تراویح پڑھ لیتا ہے اس کو پوری رات کے قیام کے برابر ثواب ملتا ہے۔ چنانچہ اس کی تائید ذیل کی حدیث سے ہو رہی ہے جس کو امام ابو داؤد "المسائل" کے ص ۶۲ پر لائے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا کہ تراویح باجماعت پڑھی جائے اور وتر بھی باجماعت ادا کیا جائے۔ ارشاد نبوی ہے کہ جو شخص تراویح امام کے ساتھ ادا کرتا ہے اس کو باقی رات کے قیام کا ثواب بھی ملتا ہے۔ اسی طرح محمد بن نصر مروزی قیام اللیل (ص۔ ۹۱) میں امام احمد بن حنبل سے نقل فرماتے ہیں۔ امام ابو داؤد، اپنے استاد احمد بن حنبل سے نقل فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا طریق مجھے محبوب ہے۔ یعنی تراویح کو اول رات جماعت کے ساتھ ادا کیا جائے۔ اگرچہ انفراداً رات کے آخری حصہ میں پڑھنا بھی جائز ہے اور خاص فضیلت کی حامل ہے۔

فصل ثانی:۔ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح کا گیارہ رکعات سے زیادہ پڑھنا ثابت نہیں)

تراویح کی جماعت کی مشروعیت ثابت کرنے کے بعد ہم چاہتے ہیں کہ قارئین کو بتایا جائے کہ جن راتوں میں آپ نے تراویح کی جماعت کرائی۔ ان میں کتنی رکعات تراویح پڑھائیں۔ چنانچہ اس کے اثبات میں دو حدیثیں پیش خدمت ہیں۔

پہلی حدیث:۔ عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمٰن انہ سأل عائشۃ رضی اللہ عنہا کیف کانت صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان؟ فقالت ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ یصلی اربعًا فلا تسئل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی اربعًا فلا تسئل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی ثلاثًا ۔ لہ

ابو سلمہ بن عبد الرحمان بیان کرتے ہیں کہ اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے بارے میں استفسار کیا۔ حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ اولاً چار رکعات پڑھتے آپ ان کی عمدگی اور لمبائی کے بارے میں سوال نہ کیجئے۔ پھر چار رکعات پڑھتے۔ آپ ان کی عمدگی اور لمبائی کے بارے میں مت پوچھیے پھر تین رکعات پڑھتے۔

حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں

(ایک اشکال) صحیح مسلم، ابن ابی شیبۃ اور دیگر حدیث کی کتابوں میں یہ مذکور ہے کہ آپ کی رات کی نماز رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعات تھی۔ نیز موطا امام مالک کی ایک روایت میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آپ رات کو تیرہ رکعات پڑھتے پھر فجر کی اذان کے بعد سنتیں پڑھتے تو گیارہ اور تیرہ کے عدد میں تفاوت ہے ان میں تطبیق کی کیا صورت ہے۔

اولاً حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کے نوافل شروع کرنے سے پہلے دو ہلکی رکعتیں پڑھتے تھے۔ جیساکہ مسلم شریف میں حضرت عائشہؓ سے اس کی وضاحت موجود ہے[۱]۔ پس ان دونوں رکعتوں کے ملانے سے تیرہ رکعات ہوگئیں۔ تطبیق کی یہ صورت بہت عمدہ ہے۔ اس لئے کہ گیارہ رکعتوں والی حدیث میں ان دو رکعتوں کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ موطا امام مالک کی روایت میں ان دو رکعتوں کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔ اور مزید اس کی تائید مسند احمد اور سنن ابوداؤد کی روایت سے بھی ہوتی رہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کم از کم سات رکعات اور زیادہ سے زیادہ تیرہ رکعات وتر پڑھتے۔ نیز اس تطبیق کی تائید امام مالک کی ایک روایت سے ہورہی ہے جس میں دو رکعتوں کا الگ ذکر کیا گیا ہے۔ روایت ملاحظہ فرمائیں۔ زید بن خالد الجھنی بیان فرماتے ہیں)

عن زید بن خالد الجھنی انہ قال لارمقن صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللیلۃ فصلی رکعتین خفیفتین ثم صلی رکعتین طویلتین طویلتین طویلتین ثم	زید بن خالد جہنی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نوافل کا ملاحظہ کیا۔ چنانچہ اولاً آپ نے دو ہلکی رکعتیں پڑھیں پھر دو رکعتیں بہت زیادہ طویل وقت میں پڑھیں پھر دو رکعتیں ان سے ذرا تھوڑے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) ابوداؤد (۱/۲۱۷) ترمذی (۲/۷۲-۷۳) صحیح ونسائی (۱/۲۳۸) ابن ماجہ (۱/۳۹۷) الطحاوی فی شرح معانی الآثار (۱/۲۰۶) ابن نصر (۸۹) الفریابی (۱/۷۱-۲/۷۲-۲/۷۲) بیہقی (۲/۲۹۴) وسندھم صحیح۔ [۱] بخاری (۳/۲۵، ۴/۲۰۵) مسلم (۲/۱۶۶) ابوعوانۃ (۲/۳۲۷) ابوداؤد (۱/۲۱۰) ترمذی (۲/۳۰۲-۳۰۳ طبع شاکر) نسائی (۱/۲۴۸) مالک (۱/۱۳۴) وعنہ البیہقی (۲/۴۹۵-۴۹۶) احمد (۶/۳۶، ۷۳، ۱۰۴)۔

صلی رکعتین وھما دون الیتین قبلھما ثم صلی رکعتین وھما دون اللیتین، قبلھما ثم صلی رکعتین وھما دون اللیتین قبلھما ثم اوتر فذالک ثلث عشرۃ رکعۃ[۱]

وقت میں پھر دو رکعتیں پہلی رکعتوں سے کم وقت میں پھر دو رکعتیں پہلی دو رکعتوں سے کم وقت میں پھر دو رکعتیں پہلی دو رکعتوں سے بھی کم وقت میں پڑھیں پھر وتر ادا فرمائے۔ پس اس طرح ۱۳ رکعتیں پڑھیں

۱۳ رکعتوں میں دو رکعتیں اس بات کا احتمال رکھتی ہیں کہ ان کو عشاء کی سنتیں قرار دیا جائے چنانچہ محمد بن نصر مروزی قیام اللیل کے (ص ۸) میں جابر بن عبداللہ سے بیان کرتے ہیں کہ

عن جابر بن عبد اللہ قال اقبلنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الحدیبیۃ حتی اذا کنا بالسقیا (قریۃ بین مکۃ والمدینۃ) قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجابر الی جنبہ فصلی العتمۃ ثم صلی ثلاث عشرۃ سجدۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حدیبیہ سے واپس آرہے تھے جب ہم مکہ اور مدینہ کے درمیان (سقیا نامی بستی) کے قریب پہنچے تو اولاً آپ نے عشاء کی نماز پڑھی۔ میں بھی آپ کے پہلو میں کھڑا تھا۔ بعد ازاں آپ نے ۱۳ رکعات پڑھیں۔ پس یہ حدیث نمایاں انداز میں اس بات کو

---

[۱] مولانا شبیر احمد عثمانی "فتح الملہم" میں رقمطراز ہیں (والذی یظھر للعبد الضعیف من مجموع الروایات واللہ اعلم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یفتتح صلوٰۃ باللیل برکعتین خفیفتین وھما من مبادی التہجد ثم یصلی ثمان رکعات وھی اصل التہجد ثم یوتر بثلث رکعات فتح الملہم جلد ۲ صفحہ ۲۸۸ ان تمام روایات کو دیکھنے سے جو چیز ظاہراً معلوم ہو رہی ہے (حقیقت حال کو تو اللہ پاک ہی بہتر جانتا ہے) وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کے نوافل کا آغاز دو ہلکی رکعتوں سے فرماتے جن کو تہجد کی تمہید کہنا مناسب ہے پھر اصل تہجد کی آٹھ رکعات اور تین رکعات وتر پڑھتے ۱۲ مترجم [۲] مالک (۱/۱۴۲-۱۴۴) وعنہ مسلم (۲/۱۸۳) ابو عوانہ (۲/۳۱۹) ابو داؤد (۱/۲۱۵) ابن نصر ص ۸۰ م۔ اخرجہ البخاری و مسلم عن ابن عمر و اخرجہ اصحاب السنن الاربعۃ والطیالسی والطحاوی و الدارقطنی والبیھقی بلفظ صلوٰۃ اللیل والنہار مثنیٰ مثنیٰ مترجم

ثابت کر رہی ہے کہ تیرہ رکعتوں میں دو رکعتیں عشاء کی نماز کے بعد کی دو سنتیں ہیں اور اس حدیث کے تمام رواۃ شرجیل بن حسنہ کے علاوہ ثقہ ہیں۔

البتہ ابو مسلم کی روایت میں چار رکعات نوافل کو ایک سلام سے پڑھنا جواز پر دلالت کرتا ہے۔ جبکہ استحباب اس میں ہے کہ چار رکعتوں کو دو سلاموں کے ساتھ ادا کیا جائے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور طرز عمل یہی تھا۔ نیز ارشادِ نبوی ہے کہ رات کے نوافل دو دو رکعت ہیں۔ شوافع حدِ اعتدال سے متجاوز ہیں جبکہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ جو شخص چار رکعات کو ایک سلام کے ساتھ پڑھتا ہے اس کی نماز صحیح نہیں۔ کما فی الفقہ علی المذاہب الاربعہ۔

شوافع کا یہ قول صحیح حدیث کے منافی ہے۔ نیز امام نووی جو کہ شوافع علماء کے گروہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کا قول بھی ان کے خلاف ہے[1]۔ لہٰذا یہ قول اس قابل نہیں کہ اس کے مطابق فتویٰ دیا جائے[2]۔

---

[1] امام نووی فرماتے ہیں (انہ یجوز جمع رکعات بتسلیمۃ واحدۃ وھذا لبیان الجواز والا فالافضل التسلیم من کل رکعتین وھو المشھور من فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) مسلم جلد اول ص ۲۵۴ (دو سے زائد نوافل کو ایک سلام کے ساتھ ادا کرنا جائز ہے۔ اگرچہ افضلیت اس میں ہے کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام طرز عمل یہی تھا۔) مترجم

[2] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث کے بارے میں کچھ لوگ غلط تاثر دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس حدیث میں تراویح کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ تہجد کی نماز کا ذکر ہے کہ رمضان اور غیر رمضان میں آپ کی تہجد کی نماز ۸ رکعات نوافل اور تین رکعات وتر پر مشتمل ہوتی تھی۔ پس اس حدیث سے ۸ رکعات تراویح مراد لینا نص صریح کے خلاف ہے لیکن ان لوگوں کی یہ بات چند وجوہ کی بنا پر غلط ہے۔ اولاً سائل کا سوال رمضان المبارک کے رات کے نوافل کے بارے میں ہے جیسا کہ حدیث میں صراحت کے ساتھ یہ الفاظ موجود ہیں۔ پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جن کی ذہانت اور فطانت ضرب المثل تھی۔ اور فقہا صحابہ میں جن کا شمار ہوتا ہے۔

دوسری حدیث:۔ عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال صلی بنا رسول اللہ علیہ وسلم فی شہر رمضان ثمان رکعات و اوتر فلمّا کانت القابلۃ اجتمعنا فی المسجد و رجونا ان یخرج فلم نزل فیہ حتّیٰ اصبحنا ثم دخلنا فقلنا یا رسول اللہ اجتمعنا البارحۃ فی المسجد و رجونا ان تصلی بنا فقال انی خشیت ان یکتب علیکم ؎

جابر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو رمضان کی ایک رات میں ۸ تراویح اور وتر پڑھائے چنانچہ آئندہ رات ہم مسجد میں اکٹھے ہوئے۔ ہم آرزومند تھے کہ آپ باہر تشریف لائیں گے۔ لیکن صبح تک ہم منتظر رہے۔ آپ تشریف نہ لائے تو ہم نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ہم مسجد میں آپ کے آنے کی انتظار میں جمع رہے۔ آپ نے فرمایا مجھے ڈر لاحق ہو گیا کہ کہیں تم پر باجماعت ادا کرنا فرض نہ ہو جائے ؎

ان کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ سائل کے سوال کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے جواب دیں۔ بلکہ عام رات کے نوافل کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کو پیش کریں۔ حضرت عائشہ نے جواب میں رمضان اور غیر رمضان عمومیت کا انداز اختیار فرما کر اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ رمضان کے غیر میں آپ کے نوافل جن کو عرف میں تہجد کے ساتھ موسوم کیا جاتا ہے اور رمضان میں تراویح کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔ دونوں تہجد ہیں صرف نام کا فرق ہے حقیقتاً دونوں ایک ہیں۔

ثانیاً کتب حدیث میں قیام اللّیل کے ابواب کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت الم نشرح ہو رہی ہے کہ تراویح اور تہجد میں تغائر نہیں ہے جس کا نام تہجد ہے۔ رمضان میں اس کا نام تراویح ہے اسی لئے تو علمائے احناف بھی اس کا انکار نہ کر سکے۔ چنانچہ علامہ انور شاہ کشمیری اعتراف کرتے ہیں کہ دونوں متحد ہیں۔ (المختار عندی انھما واحد وان اختلفت صفتا ھما ای التراویح والتہجد) فیض الباری ص۴۲۰ ج ۲

میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ تراویح اور تہجد دونوں ایک ہیں اگرچہ ان کی صفات میں اختلاف ہے۔ ثالثاً امام بخاری رحمۃ اللہ جیسے محدّث فقیہ بخاری شریف میں

(باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حضرت عائشہ کی حدیث کو تہجد اور تراویح دونوں ابواب کے تحت لائے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تراویح اور تہجد میں اتحاد کے قائل ہیں۔

رابعاً:- جن تین راتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی جماعت کرائی ہے ان راتوں کے بارے میں کوئی شخص ثابت نہیں کر سکتا کہ آپ نے آخری رات تہجد پڑھی ہو اور آپ کا آخری رات میں تہجد کا نہ پڑھنا صرف اس لئے ہے کہ آپ اوّل رات تراویح پڑھا چکے ہیں اور تراویح اور تہجد دونوں ایک ہیں۔

خامساً:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ نے تراویح کی جماعت کرائی۔ حالانکہ تہجد کی جماعت قصداً ثابت نہیں۔ پس رمضان المبارک میں چونکہ تراویح کی جماعت مسنون ہے۔ جبکہ رمضان کے علاوہ تہجد کی جماعت ثابت نہیں۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے (التنفل بالجماعۃ غیر التراویح مکروہ عندنا) فتاویٰ قاضی خاں۔ ج ۱ ص ۳۳۴

ہمارے نزدیک تراویح کے علاوہ نوافل کی جماعت کرانا مکروہ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث تراویح کا شامل ہے جس کو رمضان کے علاوہ تہجد کا نام دیا جاتا ہے۔ اہل حدیث کے ہاں مطلق نوافل کی جماعت بھی ثابت ہے۔

لہ ابن نصر (ص ۹۰) طبرانی فی المعجم الصغیر (ص ۱۰۸) وسندہ حسن بما قبلہ واشار الحافظ فی الفتح (۳/ ۱۰) فی التلخیص (ص ۱۱۹) الی تقویتہ وعزاہ لابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحیہما۔

کہ حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت ۸ رکعات تراویح کے اثبات میں نص صریح ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحیؒ فرماتے ہیں:-

والحاصل انہ ان سئل من صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی تلک اللیالی انہا کم کانت فالجواب انہا ثمان رکعات لحدیث جابر وان سئل انہ ھل صلی فی رمضان ولو احیانا عشرین

ماحصل یہ ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں سوال ہو کہ ان راتوں میں آپ نے کتنی رکعات پڑھی تھیں تو جابر کی حدیث کے پیش نظر کہنا پڑے گا کہ آپ نے ۸ رکعات پڑھیں اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ کبھی آپ نے ۲۰ رکعات تراویح

(بیس تراویح والی حدیث سخت کمزور ہے۔ اس پر عمل کرنا جائز نہیں)

حافظ ابن حجر فتح الباری میں پہلی حدیث کی تشریح میں رقمطراز ہیں۔

واما ما رواہ ابن ابی شیبۃ من حدیث ابن عباس کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ و الوتر[1] فاسنادہ ضعیف وقد عارضہ حدیث عائشۃ ھذا الذی فی الصحیحین مع کونھا اعلم بحال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلاً من غیرھا۔

عبداللہ بن عباس کی روایت جس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں ۲۰ تراویح اور وتر پڑھتے۔ اس حدیث کی سند کمزور ہے۔ نیز اس کے معارض حضرت عائشہ کی وہ حدیث ہے جو کہ صحیحین میں مروی ہے۔ مستزاد یہ کہ حضرت عائشہ سے زیادہ آپ کے رات کے احوال سے اور کون واقف ہو سکتا ہے۔

(بقیہ گزشتہ سے پیوستہ)

رکعۃ فالجواب نعم ثبت ذالک بحدیث ضعیف فافہم انتہی۔ (تحفۃ الاخیار ص ۲۸)

بھی پڑھی ہیں تو اس کا جواب دینا ہوگا کہ ضعیف حدیث اس پر دال ہے۔

علامہ عبدالحئی رح کی وضاحت سے یہ حقیقت منکشف ہو رہی ہے کہ ان تین راتوں میں آپ نے ۸ رکعات تراویح پڑھی ہیں۔ البتہ بیس رکعات والی حدیث ضعیف ہے۔ لیکن بیس رکعات والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے غیر جماعت میں بیس تراویح پڑھی ہیں باجماعت بیس تراویح والی تو کوئی کمزور حدیث بھی نہیں ہے۔ وھذا کما لا یخفی۔ ۱۲ مترجم۔

[1] فتح الباری (۴/۲۰۵، ۲۰۶) ابن ابی شیبہ (۲/۹۰/۲) عبد بن حمید فی المنتخب من المسند (۴۳/۱-۲) طبرانی فی المعجم الکبیر (۳/۱۴۸/۲) وفی الاوسط کما فی المنتقی منہ للذھبی (۳/۲) والجمع بینہ وبین الصغیر لغیرہ (۱/۱۱۹) وابن عدی فی الکامل (۱/۲) والخطیب فی الموضح (۱/۲۱۹) والبیہقی فی سننہ (۲/۴۹۶)

(باقی اگلے صفحہ پر)

علامہ زیلعی نے نصب الرایہ میں حافظ ابن حجر کی تائید فرمائی ہے کہ عبداللہ بن عباس کی مذکورہ روایت سخت کمزور ہے ۔ علامہ سیوطی نے (الحاوی للفتاوی) ج ۲ ص ۷۳ میں اس کو کمزور کہا ہے ۔ حافظ ابن حجر نے تقریب میں ابوشیبۃ ابراھیم بن عثمان کو متروک الحدیث کہا ہے اور اس حدیث کے جمیع طرق میں ابو شیبہ موجود ہے ۔ کسی دوسرے راوی کی وساطت سے یہ حدیث کسی حدیث کی کتاب میں موجود نہیں ۔ امام طبرانی فرماتے ہیں کہ یہ روایت عبداللہ بن عباس سے صرف اسی سند کے ساتھ مروی ہے ۔ امام بیہقی، ہیثمی ، ابوشیبہ راوی کو ضعیف قرار دیتے ہیں ۔ ابن حبین نے اس راوی کو (لیس بثقۃ) اور جوزجانی نے (ساقط) اور بخاری نے (سکتوا عنہ) اور شعبہ نے جھوٹا قرار دیا ہے ۔ امام بخاریؒ کے (مسکوت عنہ) کے ریمارک پر حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ جس راوی کے بارے میں امام بخاری سکتوا عنہ کا استعمال کرتے ہیں ۔ وہ راوی ان کے نزدیک نہایت ردّی اور گھٹیا

بقیہ حاشیہ :۔ علامہ البانی نے بیس تراویح والی حدیث کے وہ الفاظ نقل نہیں فرمائے جو کہ بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ میں موجود ہیں ۔ ان میں صراحتاً فی غیر جماعۃ کا لفظ موجود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس تراویح اور وتر انفراداً پڑھے ہیں لیکن حدیث سخت کمزور ہے ناقابل استدلال نہیں جیسا کہ اس پر اہل علم کی شہادتیں پیش کی جائیں گی ۔ باقی رہا آپ کا باجماعت بیس تراویح پڑھنا اس کا ذکر کسی ضعیف حدیث میں بھی موجود نہیں ہے ۔ مصابیح کے سیاق میں جماعت غیر جماعت کے الفاظ نہیں ہیں ۔ ۱۲ مترجم

ناظرین کے افادہ کے لئے علمائے احناف کی چند شہادتیں پیش کی جاتی ہیں جن سے معلوم ہو جائے گا کہ بیس تراویح کو سنت مؤکدہ کہنے والے بیس تراویح کی حدیث کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں ۔ فیا للعجب ۔

علامہ زیلعی حنفی لکھتے ہیں کہ وھو معلول بابی شیبۃ ابراھیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبۃ وھو متفق علی ضعفہ ولینہ ابن عدی فی الکامل ثم انہ مخالف للحدیث الصحیح عن ابی سلمۃ بن عبدالرحمان انہ سأل عائشۃ ۔ (الحدیث نصب الرایہ ۔ ص ۲۹۳)

عبداللہ ابن عباس کی حدیث ابوشیبہ کی وجہ سے معلول ہے ۔ چنانچہ اس کے ضعف پر

شمار ہوتا ہے۔ پس اس لحاظ سے اس روایت کو موضوع کہنا مناسب ہے جیسا کہ یہ حدیث حضرت عائشہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہا کی صحیح حدیثوں کے خلاف ہے۔ حافظ ذہبی نے اس روایت کو منکر روایات کی فہرست میں شمار کیا ہے۔

حافظ ابن حجر ہیثمی کا قول: ۔ چنانچہ حافظ ابن حجر ہیثمی اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غایت درجہ کمزور ہے۔ اس کے راوی ابو شیبہ ابراہیم پر تمام آئمہ حدیث جرح کرتے ہوئے اسے منکر الحدیث کہتے ہیں۔ اس لئے کہ اس سے موضوع روایات مروی ہیں۔ مثلاً (ماھلکت امۃ الا فی آذار ولا تقوم الساعۃ الا فی اذار) (پچھلی تمام امتیں ماہ مارچ میں تباہ و برباد ہوئیں اور قیامت کا وقوع بھی اسی مہینہ میں ہوگا) حدیث موضوع ہے اور اس حدیث کے راوی ابو شیبہ ابراہیم ہیں۔ علامہ سبکی فرماتے ہیں کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنا اس وقت درست ہوتا ہے جبکہ اس میں شدید ضعف نہ ہو۔ اور امام ذہبی کا قول ہے۔ کہ جس راوی کو امام شعبہ کذاب کہتے ہیں اس کی طرف التفات بھی نہیں کرنا چاہیئے۔

پس علامہ ہیثمی کا سبکی کے قول کو نقل کرنا پتہ دیتا ہے کہ وہ بیس تراویح والی حدیث کو قابلِ عمل نہیں سمجھتے۔

(بقیہ حاشیہ)

اتفاق ہے اور ابن عدی نے اس کو الکامل میں کمزور قرار دیا ہے۔ نیز یہ حدیث ابو سلمہ کی صحیح حدیث کے مخالف ہے۔

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں (واما ما روی ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ فضعیف بابی شیبہ متفق علی ضعفہ مع مخالفتہ للصحیح فتح القدیر۔ ج ۱۔ ص ۳۳۳) ابن ابی شیبۃ کی ۲۰ تراویح والی روایت ابو شیبہ کی وجہ سے ضعیف ہے جیسا کہ صحیح روایت کے مخالف ہونے کے ساتھ ساتھ ابو شیبہ بھی بالاتفاق ضعیف ہے۔

علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں کذبہ شعبۃ وضعفہ احمد و ابن معین و البخاری والنسائی وغیرھم۔ الخ (عمدۃ القاری طبع مصر۔ ص ۳۵۹)

اس حدیث کے راوی ابو شیبہ کو شعبہ نے کاذب کہا اور امام احمد، ابن معین، بخاری نسائی و دیگر محدثین نے ضعیف کہا۔ ان کے علاوہ مولانا انور شاہ صاحب، مولانا محمد زکریا کاندھلوی نیز مولانا عبد الحئی لکھنوی اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ ۱۲ مترجم

امام سیوطی کا قول: امام سیوطی ابن حبان کی روایت کردہ جابر کی حدیث کو بیان فرمانے کے بعد رقمطراز ہیں کہ بیس تراویح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا البتہ صحیح ابن حبان کی روایت سے ہمارا مطلوب حاصل ہو رہا ہے جبکہ ہمارا استدلال بخاری کی روایت سے واضح صورت میں موجود ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ اور پھر یہ بات پایۂ تحقیق تک پہنچ چکی ہے کہ آپ جس فعل کو ایک بار کر لیتے تو اس پر مواظبت فرماتے تھے۔ جیسا کہ آپ کا معمول تھا کہ عصر کی نماز کے بعد ہمیشہ دو رکعتیں پڑھتے رہے جن کو ایک بار آپ ظہر کے بعد نہ پڑھ سکے تھے تو اس کی قضا عصر کے بعد دی۔ حالانکہ عصر کی نماز کے بعد سنن نوافل ممنوع ہیں۔

پس بفرض محال اگر ایک بار آپ نے بیس تراویح پڑھی ہوتیں تو پھر آپ اس پر مداومت فرماتے۔ نیز یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر کیسے مخفی رہ سکتی تھی جب کہ وہ صرف گیارہ رکعات کی حدیث بیان فرماتی ہیں۔ پس امام سیوطی کی اس کلام سے یہ بات مترشح ہو رہی ہے کہ وہ گیارہ تراویح والی حدیث کو حجت تسلیم کرتے ہیں اور بیس رکعات والی حدیث کو بوجہ ضعف کے قابل حجت نہیں سمجھتے۔ [1]

---

[1] علامہ محمد ناصر الدین البانی نے آٹھ تراویح کے اثبات میں دو حدیثیں پیش کی ہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ تیسری حدیث سنت تقریری کی صورت میں آٹھ تراویح کے اثبات میں بالکل واضح ہے اور اس کی سند بھی حسن ہے۔ قارئین کے افادہ کے لئے پیش کر دی جاتی ہے۔ (جاء ابی بن کعب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انہ کان منی اللیلۃ شئ یعنی فی رمضان قال وما ذاک یا ابی قال نسوۃ فی داری قلن انا لا نقرء القرآن فنصلی بصلواتک قال فصلیت بھن ثمان رکعات و اوترت فکانت سنۃ الرضا ولم یقل شیئا۔ اخرجہ ابو یعلی و الطبرانی بنحوہ فی الاوسط قال الھیثمی فی الزوائد۔ ص ۷۴ ج ۲۔ اسنادہ حسن و ذکرہ الامام المروزی فی قیام اللیل۔ (قال الھیثمی فی مجمع الزوائد اسنادہ حسن تحفۃ الاحوذی۔ جلد ۲۔ ص ۷۳

ابی بن کعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ آج رات رمضان المبارک کے پیش نظر ایک واقعہ ہو گیا۔ فرمایا اے ابی کیا ہوا۔ ابی نے عرض کیا کہ چند عورتیں

تیسری فصل

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گیارہ رکعات پر اکتفا کرنا زیادہ رکعات کے عدم جواز پر دال ہے)

مذکورۃ الصدر دلائل سے یہ بات عیاں ہو رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام اللیل کی رکعات کی تعداد گیارہ ہے۔ جیسا کہ صراحتاً آپ کے فعل سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے۔ مزید غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچنا بالکل آسان ہو جاتا ہے کہ آپ زندگی بھر استمرار کے ساتھ رمضان غیر رمضان میں گیارہ رکعات ہی پڑھتے رہے۔ اس سے زیادہ پڑھنا ثابت نہیں۔ تیرہ کی روایت کا مطلب سابقہ اوراق میں پیش کیا جا چکا ہے اس پر چند دلائل پیش خدمت ہیں۔

دلیل اوّل:۔ ہم بلا شک و شبہ اعتراف کرتے ہیں کہ سنن رواتب، صلوٰۃ الاستسقاء صلوٰۃ الکسوف وغیرہ میں رکعات کا تعین منقول ہے ہم بالکل جائز نہیں سمجھتے کہ اپنی طرف سے ان میں رکعات کا اضافہ کریں۔ پس تراویح میں تعین رکعات کے ہوتے ہوئے رکعات کا اضافہ کیسے جائز ہو سکتا ہے جبکہ تراویح اور سنن رواتب میں حکماً اشتراک موجود ہے۔ اگر کوئی شخص ان میں حکماً اشتراک کا قائل نہیں تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس پر دلائل پیش کرے۔ ہمارا نقطہ نظر تو یہی ہے کہ ان میں حکماً کچھ فرق نہیں۔ **(امام بخاریؒ کا انداز)** غور کیجئے امام بخاریؒ صحیح بخاری میں باب الرکعتین قبل الظہر کے باب میں عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث کو لا کر ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی فرض نماز سے پہلے دو رکعات سنت پڑھتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت عائشہؓ کی حدیث لا کر ثابت کرتے ہیں کہ آپ ظہر سے پہلے چار رکعات سنت پڑھتے تھے معلوم ہوا کہ ظہر سے پہلے دو رکعتیں پڑھنا ایسا ضروری نہیں کہ اس پر زیادتی جائز نہ ہو۔ اس کی وضاحت میں حافظ ابن حجرؒ کا موقف بھی معلوم ہو رہا ہے کہ رکعات کی جو تحدید نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو اس پر زیادتی کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا تراویح کی رکعات میں زیادتی کیسے جائز قرار

میرے گھر میں آئیں اور کہنے لگیں کہ ہم قرآن پاک نہیں پڑھ سکتیں۔ لہٰذا ہم آپ کی اقتدا میں نماز تراویح پڑھیں گی۔ چنانچہ ابی بن کعب بیان کرتے ہیں کہ میں نے ان کو ۸ رکعات تراویح اور وتر پڑھائے۔ اس پر آپ نے کچھ نہ کہا۔ پس یہ آپ کی رضامندی کی صورت تھی۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ ۱۲ مترجم لہ (۴۵/۳)

دی جا سکتی ہے۔ البتہ عبداللہ بن عمر اور عائشہ کی حدیثوں میں تطبیق دینا ممکن ہے کہ ظہر سے پہلے دو رکعت یا چار رکعت سنّت ادا کرنا دونوں جائز ہیں۔ چنانچہ شوافع دو رکعت کے قائل ہیں، اور یہی مذہب درست معلوم ہوتا ہے۔ اور احناف چار رکعت کے قائل ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت پر مواظبت نہیں فرماتے تھے۔ پس چار رکعت ادا کرنا مستحب ہے اور دو رکعت پڑھنا سنّت ۔

دلیلِ ثانی: ۔ نمازِ تراویح کو مطلق نفل کہنا درست نہیں۔ اس لئے کہ مطلق نفلی نماز میں رکعات کی کمی زیادتی کا اختیار ہوتا ہے۔ لیکن تراویح میں رکعات کی کمی زیادتی کا اختیار شرعاً مصلی کو حاصل نہیں اس لئے کہ نمازِ تراویح تو سنّت مؤکدہ ہے۔ نیز فرض نماز کے ساتھ اس کی مشابہت نمایاں ہے[1] جبکہ فرض نماز کی طرح اس کے لئے جماعت کو مشروع قرار دیا گیا۔ سنن رواتب یعنی سنّت مؤکدہ کی رکعات میں اضافہ کرنا جائز نہیں تو تراویح کی رکعات میں اضافہ کرنا بالاولیٰ ناجائز ہوگا۔ البتہ مطلق نوافل کے لئے شارع نے کوئی عدد متعیّن نہیں فرمایا حافظ ابن حجر ہیثمی نے اس فرق کو الفتاوی الکبریٰ کے ص (۱/۱۹۳) پر واضح فرمایا ہے۔ جب شارع علیہ السلام نے تراویح کی ۱۱ رکعات متعیّن فرمادی ہیں تو کسی بھی انسان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس سے تجاوز کرے۔ اگر شوافع علما تراویح چار رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھنے کو ناجائز کہہ سکتے ہیں۔ حالانکہ ان کو ناجائز کہنا نہیں چاہیئے اس لئے کہ تراویح چار رکعت نہیں۔ جبکہ سنّت صحیح میں ۸ سے زائد تراویح کا ثبوت نہیں۔ اللّٰھمّ بلیٰ فضل من مدّکر۔ اور تراویح کو مطلق نفل کہا جائے اور کہ شارع علیہ السلام نے اس کی رکعات کا تعیّن نہیں فرمایا۔ تو پھر بھی ہمارے لئے قطعاً اس بات کی اجازت نہیں کہ اپنی طرف سے اس کی کوئی حد متعیّن کریں۔ اصولاً یہ بات غلط ہے کہ عبادات میں کسی صفت، کیفیت یا مثلاً رکعات کا تعیّن ہم اپنی طرف سے کریں۔ جب کہ شارع علیہ السّلام کی طرف سے کوئی تصریح موجود نہ ہو۔ (مُلّا احمد رومی حنفی کا قول) چنانچہ مُلّا احمد رومی مجالس الابرار میں فرماتے ہیں کہ اسلام کے دورِ اوّل میں کسی کام کا وقوع پذیر نہ ہونا متعدد وجوہ کا متحمّل ہے۔ اوّلاً اس کی ضرورت نہ تھی ثانیاً کوئی مانع موجود تھا۔ ذہن اس کی طرف متوجّہ ہی نہ ہو سکا۔ ثالثاً تکاسل حائل رہا۔ رابعاً کراہت۔ جب ان تمام وجوہ کا غور و فکر کے ساتھ جائزہ لیا

---

[1] قسطلانی شرح بخاری (۳/۴)

جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے دورِ اوّل میں جو کام وقوع پذیر نہیں ہوا، اس کی معقول وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ شارع علیہ السلام کی نظر میں چونکہ یہ فعل مکروہ ہے۔ اس لئے اسے مشروع نہ کیا گیا ورنہ تکاسل اور عدم تنبیہہ جیسی وجوہات تو شارع علیہ السلام کی شان میں گستاخی کے مترادف ہیں جبکہ عبادات بدنیہ تقربِ الٰہی کے حصول کا اوّلین زینہ ہیں۔ پس اگر ۲۰ تراویح کی مشروعیت مقصود ہوتی تو بظاہر اس کے مشروع کرنے میں کوئی بھی رکاوٹ موجود نہ تھی لیکن بایں ہمہ ۲۰ تراویح کو مشروع نہیں قرار دیا گیا۔ جس طرح اگر کوئی شخص عباداتِ بدنیہ کی کمیت و کیفیت میں کسی ایسی صفت کا اضافہ کرتا ہے جس کا وجود عہدِ نبوی، عہدِ صحابہ کرام میں نہیں تھا تو یقیناً اس کو غیر مشروع کہا جائے گا اگر اس اضافے کے لئے ہماری لغت میں بدعتِ حسنہ کے علاوہ کوئی لفظ نہیں تو بتایا جائے کہ بدعتِ مکروہ ہر کس کو کہیں گے اس بنیاد پر کیا صلواۃ الرغائب[1] باجماعت ادا کرنا اذان اور خطبہ کے کلمات کو نغمہ سرائی کے انداز میں ادا کرنا حالتِ رکوع میں قرآن پاک کی تلاوتِ جنازہ آگے ہونے کی صورت میں باوازِ بلند ذکرِ الٰہی میں مشغولیت وغیرہ کو بدعاتِ منکرہ میں شامل نہیں سمجھا جائے گا؟ پس جو شخص ان کو بدعتِ حسنہ کی فہرست میں شمار کرتا ہے۔ ہم اس کی خدمت میں کل بدعۃ ضلالۃ کل عمل لیس علیہ امرنا فھو رد۔ حدیث ایک عام قانون کی حیثیت سے پیش کرنے کی جسارت کریں گے کہ اس عام سے ان جزئیات کو تو مستثنیٰ سمجھا جا سکتا ہے جن کے حسن ہونے پر دلائل شرعیہ موجود ہیں لیکن بدعات کو حسنہ کہنے پر کتاب وسنت اجماع اُمت سے کوئی بھی دلیل موجود نہیں۔ عام شہروں میں کسی فعل کا رواج پذیر ہو جانا اور عوام الناس کا اس کو مستحسن جاننا یا کسی عمل پر تعامل[2] و توارث کا ہونا حجت نہیں۔ پس جو شخص دینِ اسلام میں اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے

حاشیہ [1] (وھی اثنتا عشرۃ رکعۃ فی لیلۃ الجمعۃ الاولی من رجب بکیفیۃ مخصوصۃ وقد قال العلماء انہ بدعۃ قبیحۃ منکرۃ) صلواۃ الرغائب رجب کے پہلے جمعہ کی رات میں مخصوص کیفیت کے ساتھ ۱۲ رکعات پڑھنا علماء نے اس کو قبیح منکر بدعتوں میں شمار کیا ہے الابداع فی مضار الابتداع، ص ۳۱) مترجم

[2] اصل حجت کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ عوام الناس کا کسی فعل کو مستحسن گرداننا اس کی صحت کو مستلزم نہیں۔ اسی لئے حافظ ابن حزم اندلسی اہل مدینہ کے تعامل کو حجت تسلیم نہیں کرتے۔ الاحکام فی اصول الاحکام جلد سادس میں اس کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

لئے اپنی طرف سے کسی قول یا فعل کا اضافہ کرتا ہے تو اس نے دینِ اسلام میں ایسی چیزوں کو مشروع قرار دینے کی ناپاک جسارت کی ہے جس کا اللہ پاک نے حکم نہیں دیا۔ پس معلوم ہوا کہ عبادات میں کوئی بھی بدعت حسنہ کہلانے کی مستحق نہیں [۱]

چند شبہات اور ان کے جوابات

مذکورہ وضاحت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ گیارہ سے زیادہ تراویح پڑھنا جائز نہیں چونکہ مخالفین کی طرف سے اس مسئلہ میں چند شبہات پیش کئے جاتے ہیں۔ اس لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ ترتیب کے ساتھ ان کے شبہات اور ان کے مدلل جوابات سے قارئین کو مطلع کیا جائے تاکہ اصل حقائق نکھر کر سامنے آجائیں۔

پہلا شبہ:۔ رکعات تراویح کی تعداد میں علماء کا اختلاف اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ رکعات کے تعین کے بارے میں کوئی صریح نص موجود نہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی صریح نص موجود ہوتی تو اسقدر اختلاف رونما نہ ہوتا۔ جیسا کہ سنن رواتب کی رکعات میں کچھ اختلاف نہیں جیسا کہ اس کا تعین موجود ہے۔ اسی طرح تعین کی صورت میں اس میں بھی کوئی اختلاف نہ پایا جاتا۔

جواب:۔ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اختلاف کا باعث نص کا موجود ہونا بھی ممکن ہے۔ لیکن امام سیوطی کے قول سے تو یہ بات مترشح ہوتی ہے، کہ بس اختلاف کا باعث صرف نص کا نہ پایا جانا ہے [۲]۔ سیوطی جیسے انسان سے یہ بات عجیب معلوم ہو رہی ہے جب کہ یہ بات روز روشن کی

بقیہ صفحہ گذشتہ:۔ ابراہیم نخعی کے بارے میں رقمطراز ہیں (انہ کان یکرہ ان یقال سنۃ ابی بکر وعمر ولکن سنۃ اللہ عزوجل وسنۃ رسولہ) الاحکام ج سادس ص ۱۷۵

امام ابراہیم نخعی مکروہ جانتے تھے کہ کسی مسئلہ میں سنّتِ ابوبکر اور سنّتِ عمر کو پیش کیا جائے۔ البتہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول کی سنّت کو حجت کا ماخذ ماننا چاہیئے۔ ۱۲ مترجم

[۱] الابداع فی مضار الابتداع للشیخ علی محفوظ۔ (ص ۲۳-۲۴) یہ کتاب بہت معلوماتی ہے۔ بدعت کے موضوع پر بہترین مواد کی حامل ہے۔ جامعہ ازہر کے وعظ و خطابت کی کلاسوں کے سال اوّل اور سال دوم کے نصاب میں اس کو شامل کیا گیا ہے۔

[۲] الحاوی (ص ۱/۷۴)

کی طرح ظاہر ہے کہ کتنے اختلافات ایسے ہیں جن کا سبب یہ نہیں ہے۔ بلکہ بعض اختلافات اس بنیاد پر وقوع پذیر ہوئے کہ اختلاف کرنے والے امام کو نص کا علم نہ ہوسکا یا نص پر اعتماد نہ کیا اور اس کو قابلِ حجت نہ سمجھا۔ یا نص تو اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے لیکن اختلاف کرنیوالے امام کے فہم میں اس کا محمل وہ نہیں جو دیگر آئمہ کے نزدیک ہے۔ پس اختلاف کے اسباب متعدد ہوسکتے ہیں[1] اختلاف کا صرف ایک سبب قرار دینا درست نہیں۔ غور کیجئے کس قدر کثرت کے ساتھ مختلف فیہ مسائل موجود ہیں حالانکہ فقہا اور محدثین کے ہاں ان کے بارے میں نصوص موجود ہیں۔ ہم اس مسئلہ کو ایک مثال کے ساتھ واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مثال:۔ رکوع جاتے وقت اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت رفع الیدین پر احناف کے علاوہ مختلف مکتبِ فکر کے دیگر تمام علما متفق ہیں۔ نیز تقریباً بیس حدیثیں اس مسئلہ کو واضح کر رہی ہیں چنانچہ بخاری کی ایک روایت میں یہاں تک صراحت موجود ہے کہ ابو حمید ساعدی نے دس صحابہ کی موجودگی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت بیان فرمائی جس میں رفع الیدین عند الرکوع وعند الرفع کا بھی ذکر ہے۔ اس کیفیت کا مشاہدہ کر لینے کے بعد سبھی صحابہ بیک زبان بول اُٹھے کہ اے ابو حمید آپ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی صحیح کیفیت بیان فرما دی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز واقعی اس کیفیت کے عین مطابق تھی[2]۔

امام ابو حنیفہؒ سے ایک سوال

امام ابو حنیفہؒ سے سوال کیا گیا کہ آپ رفع الیدین، عند الرکوع وعند الرفع منہ کے قائل کیوں نہیں ہیں۔ احناف کی کتابوں میں موجود ہے کہ امام صاحبؒ اور ایک محدث کے درمیان جب اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی تو امام صاحب نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع الیدین کے بارے

---

[1] اسباب اختلاف کے تفصیلی مباحث حجۃ اللہ البالغہ اور الانصاف فی سبب الاختلاف میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

[2] علامہ خصفکی نے مسند ابی حنیفہ صـ۱۹ میں امام ابو حنیفہ اور امام اوزاعی کے درمیان مسئلہ رفع الیدین پر ایک مناظرہ نقل فرمایا ہے۔ امام اوزاعی نے رفع الیدین کے اثبات میں (باقی آگے)

بقیہ حاشیہ گذشتہ :- عبداللہ بن عمر کی حدیث مع الاسناد ذکر فرمائی ۔ اس کے مقابلہ میں امام
ابوحنیفہ نے حماد عن ابراہیم النخعی عن علقمہ عن عبداللہ بن مسعود سے ثم لا یعود الفاظ والی
حدیث پیش کی اور فرمایا کہ عبداللہ بن مسعود کی رفع الیدین والی حدیث کو اس لئے ترجیح ہے کہ اس
کے رواۃ میں تفقہ ہے ۔ اس پر امام اوزاعی خاموش ہو گئے ۔ لیکن اگر حقیقت میں نگاہوں سے دیکھا
جائے تو عبداللہ بن عمر کی حدیث کے رواۃ میں تفقہ کم نہیں ہے اور پھر رواۃ کا تفقہ ترجیح کی دلیل
نہیں ہے ۔ غور کیجئے رفع الیدین کی حدیث بیسیوں جلیل القدر صحابہ سے مروی ہے جن کے تفقہ کا
کوئی بھی منکر نہیں ۔ اور پھر ان میں عشرہ مبشرہ صحابہ کرام بھی شامل ہیں ۔ مولانا عبدالحی فرماتے ہیں

ان رواۃ الرفع من الصحابۃ جم غفیر و رواۃ الترک جماعۃ قلیلۃ
مع عدم صحۃ الطرق عنھم الا ابن مسعود (التعلیق الممجد ص ۹۱)

رفع الیدین کی روایت کے راوی کثیر صحابہ کرام ہیں جبکہ ترک رفع کے راوی قلیل تعداد میں ہونے
کے ساتھ ساتھ عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کے علاوہ ان کی اسانید بھی صحیح نہیں ۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بڑے متقی، پرہیزگار اور فہیم انسان تھے ۔ اگر ان کی نظر کے سامنے
رفع الیدین کی حدیثیں اس کثرت کے ساتھ ہوتیں تو وہ کبھی عدم رفع الیدین کی حدیث کو رواۃ کے
تفقہ کے اصول پر ترجیح نہ دیتے ۔ اصل یہ ہے کہ رواۃ کی فقاہت ترجیح کا سبب نہیں وگرنہ اس کا
مطلب یہ ہوگا کہ بہت سی صحیح حدیثوں کو ترک کرنا ہوگا جیسا کہ اس کے دور میں احادیث کو پرکھنے
والے دور از کار تاویلات کرنے سے نہیں چونکتے ۔ موجودہ دور میں اپنے مسلک کے تحفظ کے
لئے درایت کے اصول کو بطور ڈھال استعمال کیا جاتا ہے ۔ اور اس طرح احادیث صحیحہ
کا پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے ۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ احادیث کے اختلاف میں تطبیق وغیرہ
کے لئے صحیح فہم اور ذوق کی ضرورت ہے ۔ لیکن غالباً فقہا محدثین ہی اس سعادت سے ہمکنار
ہو سکے ہوں وگرنہ منکرین حدیث نے درایت کی شمشیر براں سے تو حدیثوں کا قتل عام کیا ہے ۔
فھدا الھم اللہ الی الصواب ۔

امام ابوحنیفہ کے بعد رفع الیدین کے بارے میں علامہ عینی ابن الہمام حافظ طحاوی
نے نسخ کا دعویٰ کیا تو متاخرین حنفیہ میں سے علامہ انور شاہ صاحب نے رفع الیدین کی حدیث کو
سنداً اور عملاً متواتر قرار دیا اور اس کے نسخ کو غلط قرار دیا ۔ اختلاف کو افضلیت پر محمول کیا
مولانا محمود الحسن دیوبندی نے عدم دوام کا چٹکلہ چھوڑ دیا ۔ حالانکہ دوسری سنتوں کے لئے ان کی

(باقی آگے صفحہ پر)

میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں۔ ظاہر ہے اگر امام ابوحنیفہؒ اس حدیث کے طرق کثیرہ متواترہ سے واقف ہوتے تو کبھی رفع الیدین کی حدیث کا انکار نہ کرتے تو پس معلوم ہوا کہ اختلاف کا سبب نص کا نہ پایا جانا نہیں بلکہ نص صحیح سند کے ساتھ امام صاحب کو نہیں پہنچ سکی۔

جو لوگ علم حدیث کے ساتھ دلچسپی رکھتے ہیں۔ وہ ان مسائل کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ لیکن حضرت امام صاحب کے اس ادعا سے یہ مطلب اخذ کرنا بالکل غلط ہوگا کہ فقیہہ کی روایت کو غیر فقیہہ کی روایت پر ترجیح حاصل ہوگی۔ اس لئے کہ رفع الیدین کے اثبات اور عدم کی روایتوں میں تعارض نہیں۔ جن صحابہ کرامؓ نے آپ کو رفع الیدین کرتے دیکھا۔ انہوں نے بیان کر دیا اور رفع الیدین کے مواقع کا تعیّن کر دیا۔ اور عدم رفع کے راوی کے بارے میں ممکن ہے آپ کو رفع الیدین کرتے نہ دیکھا ہو۔ وگرنہ رواۃ کی فقاہت اصولاً ترجیح کا باعث نہیں بلکہ عدم علم کی وجہ سے اختلاف ہے۔ حالانکہ رفع الیدین کی حدیث کے راوی خلفاء راشدین بھی ہیں۔ اس وضاحت کے بعد حضرت امام ابوحنیفہؒ کے استدلال کا کچھ وزن نہیں رہ جاتا۔

دوسری مثال:۔ رکعات الوتر اور سنن رواتب میں بھی اختلاف ہے حالانکہ ان کا تعیّن نص صریح سے ہو رہا ہے۔ شوافع کے نزدیک وتر کم از کم ایک رکعت ہے اور یہی مسلک صحیح ہے۔ احناف کے نزدیک وتر کم از کم تین رکعت ہے۔ آئمہ کا یہ اختلاف مشہور ہے۔

لیکن تعجب ہے کہ امام شافعی نے عدم اختلاف کی مثال میں وتر اور سنن رواتب کا ذکر کیسے کر دیا ہے۔ پس تراویح کی رکعات میں اختلاف سے یہ مطلب نہیں نکالا جا سکتا کہ تراویح کی رکعات کے تعیّن میں کوئی نص موجود نہیں۔ ظاہر ہے کہ نص موجود ہے پھر اختلاف کی وجہ سے نص صریح کو رد کرنا جائز نہیں۔ مناسب تو یہ ہے کہ اختلاف کو ختم کرنے کی بس ایک ہی صورت ہے کہ نص کی طرف رجوع کیا جائے۔

ارشادِ خداوندی ہے:۔

بقیہ حاشیہ گذشتہ:۔ مداومت ثابت کرنا شائد مشکل ہو جائے۔ بہر سُنّت سے انحراف کے لئے مختلف توجیہات کا سہارا لیا گیا۔ اس مسئلہ پر حضرت الاستاذ حافظ محمد گوندلوی دامت برکاتہم کی کتاب التحقیق الراسخ فی ان رفع الیدین لیس لھا ناسخ بڑی مدلل اور بیش بہا معلومات کا خزینہ ہے۔ ۱۲۔ مترجم

فلا و ربك لا یؤمنون حتیٰ یحکموك فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔ (النساء ۶۵)

تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کردو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اسکو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔

نیز ارشادِ خداوندی ہے:۔

فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر ذالك خیر و احسن تاویلاً۔ (النساء ۵۹)

اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر خدا اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں خدا اور اس کے رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا مآل بھی اچھا ہے۔

دُوسرا شُبہ:۔ نفل پر زیادتی کرنا اسی وقت ناجائز ہے۔ جب زیادتی کرنے سے روکا گیا ہو۔ لہذا ہم تسلیم کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف آٹھ رکعات تراویح پڑھیں۔ ۲۰ تراویح والی حدیث صحیح نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص آٹھ رکعات سے زیادہ پڑھنا چاہتا ہے تو اس پر فتویٰ عائد کرنا درست نہیں جبکہ نوافل جتنی کثرت سے پڑھے جائیں کارِ ثواب ہے۔

جواب:۔ تمام علماء کا متفقہ اصول ہے کہ عبادات میں شارع علیہ السلام کی توقیف کے بغیر کسی چیز کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اس اصول کو برقرار نہ رکھا جائے تو نتیجہ ظاہر ہے کہ ہر ایک مسلمان کے لئے عام اجازت ہوگی کہ وہ سنن ونوافل کی رکعات میں ہی نہیں بلکہ فرائض کی رکعات میں بھی زیادتی کر سکتا ہے۔ حالانکہ ان کی رکعات کا تعین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مستمر فعل سے ثابت ہے۔ پس آپ کے مستمر فعل کا تقاضا یہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح ہدایت کے بغیر اس میں اضافہ نہ کیا جائے۔ لہذا شارع علیہ السلام کی منشا کے خلاف ۸ تراویح میں اضافہ کرنا بالکل غلط اور بے بنیاد ہے جب کہ تراویح کی اہمیت عام سنن ونوافل کی اہمیت سے کہیں زیادہ ہے۔

تیسرا شُبہ:۔ حدیث کی متداول کتب میں ایسی حدیثیں موجود ہیں جن میں نوافل کثرت کے ساتھ پڑھنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ چنانچہ ربیعہ بن کعب نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر درخواست پیش کی کہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے جنت میں آپ کی رفاقت میسر ہو جائے۔ اس پر آپ نے

اس کو کثرت کے ساتھ نوافل پڑھنے کی تاکید فرمائی۔

نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رمضان میں قیام اللیل کی زیادہ رغبت دلاتے۔ اسی طرح وہ حدیثیں جن میں بالاطلاق اور بالعموم بلا تعین کثرت کے ساتھ نوافل پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ لہٰذا رمضان المبارک میں جس قدر بھی تراویح کی رکعات ممکن ہوں پڑھی جائیں۔ آٹھ کا تعین ضروری نہیں جیسا کہ (الاصابہ) کے مؤلفین ربیعہ بن کعب اور ابو ہریرہ کی حدیثوں کے بیان کرنے کے بعد[1] رقمطراز ہیں کہ کثرتِ نوافل کا مفہوم متقاضی ہے کہ ۲۰ رکعات یا اس سے زیادہ تراویح ادا کی جائیں۔

جواب: مذکورہ شبہ نہایت رکیک اور کمزور ہے۔ ظاہر ہے کہ مطلق احادیث پر بالاطلاق اس وقت عمل کیا جاتا ہے جب کہ شارح علیہ السلام کی طرف سے اس کی تقیید موجود نہ ہو۔ لیکن جب مطلق مقید ہو جائے تو مقید پر عمل کرنا ہی ضروری ہوتا ہے۔ مطلق قابلِ عمل نہیں رہتا۔ پس تراویح کی نماز مطلق نفل نہیں بلکہ مقید پر سنت مؤکدہ نفلی نماز ہے۔ جیسا کہ سابقہ اوراق میں بھی اس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ پس تقیید کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس کو مطلق قرار دینا اور اس پر مطلقات کا حکم لگانا کسی لحاظ سے بھی درست نہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص اس کیفیت اور کمیت کے ساتھ نماز ادا نہیں کرتا جو کیفیت اور کمیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور وہ (صلوا کما رایتمونی اصلی) حدیث کو اس بنیاد پر طاقِ نسیاں کے حوالے کرتا ہے کہ مطلقات سے قیود الگ کر کے عمل کرنا درست ہے تو اس کی نماز کو فاسد قرار دیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ ظہر کی نماز چار رکعت کی بجائے پانچ رکعت پڑھنا۔ فجر کی سنتیں دو رکعات کی بجائے چار پڑھنا۔ اور ایک رکوع کے بجائے ہر رکعت میں دو رکوع کرنا اور دو سجدوں سے زیادہ سجدات کرنا شرعاً جائز نہیں۔ ایسے شخص کی نماز کا فاسد ہونا ظاہر ہے۔ چنانچہ شیخ علی محفوظ الابداع فی مضار الابتداع میں مذاہب اربعہ کے علماء کے نصوص بیان کرنے کے بعد رقمطراز ہیں کہ جس فعل کے اقتضاآت موجود ہونے کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ترک کیا ہے تو اس کا ترک سنت ہے اور اس کا کرنا بدعتِ مذمومہ ہے۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم کے فعل یا ترک کا ملاحظہ نہ کرنا اور مطلق نصوص سے استدلال کرنا متشابہات کی اتباع کے مترادف ہے جس سے ہمیں روکا گیا ہے اگر ہم لوگ عمومات پر اعتماد کرتے ہیں اور اس کی قیود سے صرف نظر کر جاتے ہیں تو خطرہ ہے کہ کہیں

---

[1] مسلم (۵۲/۲) ابو عوانہ (۱۸۱/۲)

بدعات کا بہت بڑا تباہ کُن دروازہ نہ کھُل جائے جس کا بند کرنا مشکل ہو جائے اور دین میں اختراع کا مرض اتنا عام نہ ہو جائے کہ اس کا مداوا ہمارے بس سے باہر ہو جائے۔ اس ضابطہ پر چند امثلہ ملاحظہ کیجئے۔

مثال اوّل :- طبرانی میں ایک حدیث الصلوٰۃ خیر موضوع۔ (یعنی نماز بہترین کام) کے الفاظ کے ساتھ وارد ہے۔ پس اس حدیث کی روشنی میں صلوٰۃ الرغائب اور نصف شعبان کی نماز کو کیسے مذموم بدعات کے زمرہ میں شامل کیا جا سکے گا۔ جب کہ طبرانی کی حدیث کا عین تقاضا یہ ہے کہ ان نمازوں کو بدعات میں شمار نہ کیا جائے۔ حالانکہ علماء حقہ کا فتویٰ ہے کہ یہ دونوں نمازیں اشد ترین مذموم بدعات میں شمار ہوتی ہیں۔ پس اصل مغالطہ یہ ہے کہ عام حدیث سے استدلال کرنا متشابہات کو قابلِ حجت سمجھنا ہے جس سے ہمیں شدت کے ساتھ روکا گیا ہے۔

مثال ثانی :- اگر کوئی شخص صلوٰۃ الکسوف اور صلوٰۃ العیدین میں اذان کے استحباب پر (ومن احسن قولاً ممّن دعا الی اللہ) روایت پیش کرتا ہے۔ نیز واذکروا اللہ ذکراً کثیراً کا سیاق وسباق کا تقاضا یہ ہے۔ کہ مؤذن اللہ پاک کی طرف دعوت دے رہا ہے اور ذکرِ الٰہی کے کلمات کو بلند آواز سے دہراتا ہے تو ان عام ادلہ کی روشنی میں اذان کو بدعت کہنا درست نہیں حالانکہ ان دونوں نمازوں کے لئے بلکہ عیدین، استسقاء کی نمازوں کے لئے بھی اذان کہنا بدعت ہے جب کہ نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان نمازوں کے لئے اذان کہنے کا ثبوت ہے اور نہ ہی آپ نے اس کا حکم دیا ہے۔ بلکہ نبوّت کی پوری زندگی میں آپ سے اس کا ترک ثابت ہے۔ پس لامحالہ اذان کو بدعت کہا جائے گا اور عام ادلہ سے استدلال کو لایعنی تصوّر کیا جائے گا۔

مثال ثالث :- اگر عموم روایات سے استدلال صحیح ہے تو نماز کے قیام، رکوع، سجود وغیرہ میں منقولہ اوراد کے علاوہ اگر کوئی شخص درود شریف پڑھتا ہے تو ان اللہ وملائکتہ یصلّون علی النبی (الآیۃ) آیت کے پیشِ نظر اس کو ایسا کہنے کی اجازت ملنی چاہیئے۔ حالانکہ ان مقامات میں کسی بھی امام، فقیہ، محدّث سے درود شریف پڑھنے کی اجازت منقول نہیں ہے۔ بلکہ اس نماز کو نماز نہیں کہا جا سکتا جس میں اذکار مسنونہ

کی جگہ پر اپنی طرف سے درود شریف کا اضافہ کیا جائے۔ نیز (صلّوا کما رأیتمونی اصلی) کا تقاضا بھی یہی ہے۔

مثال رابع:۔ عموم ادلہ سے استدلال اس بات کا متقاضی ہے کہ رکعات تراویح کا کچھ تعین نہ کیا جائے۔ زیادہ سے زیادہ جس قدر کوئی شخص پڑھ سکے اسے اجازت دے دی جائے۔ لہٰذا ۲۰ رکعات کا تعین بھی ضروری نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص صرف ایک رکعت تراویح کے ساتھ قیام کرنا چاہتا ہے تو اس پر بھی کوئی قدغن عائد نہ کی جائے۔ ان کے زمرہ میں علامہ حلیمی کے علاوہ کوئی بھی اس کے جواز کا قائل نہیں۔ پس جب شریعت کی طرف سے تراویح کا تعین منصوص ہے تو اس میں کمی بیشی کرنا شارع علیہ السلام کی مخالفت ہے۔

مثال خامس:۔ اگر کسی فعل کی ہیئت کذائی اور مقدار متعین ہے تو عام ادلہ سے اس میں تغیّر و تبدل کا جواز اس بات کا متقاضی بھی ہو سکتا ہے کہ اذان کے کلمات میں اشہد ان محمّد رسول اللہ کے کلمہ میں عام مروی حدیثوں کے پیش نظر صلی اللہ علیہ وسلم کا اضافہ کیا جائے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔ نیز اشہد ان کے بعد سیّدنا کے لفظ کا اضافہ احترام و اجلال کے پیش نظر کر دیا جائے۔ وھٰذا مالا یقولہ احدٌ۔

مثال سادس:۔ بلا شبہ کثرت کے ساتھ نوافل پڑھنا باعث ازدیاد اجر ہے۔ لیکن فقیہہ ابن حجر ہیتمی رح سے فتویٰ پوچھا گیا کہ جب کوئی شخص ظہر سے قبل دو رکعت سُنت ادا کرنے کی نیّت کرتا ہے تو دورانِ نماز نیت تبدیل کر کے اگر چار رکعت پڑھ لیتا ہے تو اس کا حکم کیا ہے؟

انہوں نے جواب دیا کہ عبادت (نماز) میں ابتداءً جن رکعات کی نیّت کی گئی ہے اس کا بقا ضروری ہے۔ البتہ مطلق نفل کا معاملہ الگ ہے اور تراویح مطلق نفل نہیں بلکہ سنن رواتب کی طرح ہیں۔ لہٰذا ان میں تغیّر و تبدّل کرنا شرعاً جائز نہیں۔[1]

مثال سابع:۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جب کسی زمین کو بارش چشموں وغیرہ کے پانی سے سیراب کیا جائے تو اس سے دسواں اور جس زمین کو کنوؤں کے پانی سے سیراب کیا جائے تو اس سے بیسواں حصہ فی سبیل اللہ دیا جائے۔ حدیث کی عمومیت سبزیوں، گھاس پھوس

---

[1] فتاویٰ (۱/ ۱۸۵)

سبھی کو شامل ہے۔ لیکن عمومیت کے اس اقتضاء کے باوجود بعض فصلوں سے عشر یا نصف عشر کا وصول نہ کرنا اس قاعدہ کی رہنمائی کر رہا ہے کہ عمومیت کے تقاضوں کے باوجود آپ کا ترک کرنا سنت ہے۔ اور اگر ہم لوگ باوجود آپ کے ترک کے اس کو ترک نہیں کریں گے بلکہ عمومیت کے مطابق سبزیوں وغیرہ میں عشر یا نصف عشر کے ادا کرنے کا فتویٰ دیں گے تو لامحالہ اس کو بدعتِ مذمومہ کہا جائے گا۔

تراویح کی رکعات میں علماء کے اختلاف کا حقیقی سبب

غور و فکر کے بعد بظاہر دو سبب دکھائی دیتے ہیں۔

سببِ اوّل :- آٹھ رکعات کی نص کے باوجود جو لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں انہیں نص کا علم نہ ہو سکا۔ عدم بلوغ نص معقول عذر ہے۔ چنانچہ قرآن پاک کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے (لانذرکم بہ ومن بلغ۔ ۶/۱۹) یعنی "اس کے ذریعے سے تم کو اور جس شخص تک وہ پہنچ سکے آگاہ کردوں"۔

بلکہ عدم علم کی صورت میں نص صریح کی مخالفت جبکہ بصورتِ اجتہاد ہو باعثِ اجر ہے۔ ارشادِ نبوی ہے جب فیصلہ کرنے والا اجتہاد کے ساتھ راہِ صواب کو پالیتا ہے تو دوگنے ثواب کا حقدار ہوتا ہے اور خطا کی صورت میں بھی اجرِ واحد کا مستحق تو رہتا ہی ہے۔

سببِ ثانی :- نص صریح کے خلاف رائے رکھنے والوں کو نص کا علم تو ہو گیا تھا لیکن انہوں نے سمجھا کہ ضروری نہیں کہ اس پر ہی بند رہا جائے اور اس سے زیادتی نہ کی جائے۔ چنانچہ ان لوگوں نے اپنے فہم کے مطابق نص صریح پر زیادتی کرنے کو جائز سمجھا۔ جیسا کہ دیکھا گیا ہے کہ علماء تاویل کے پیش نظر اپنے مسلک کی حمایت میں ایک فیصلہ صادر فرما دیتے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ ان کی وہ رائے صحیح ہے یا غلط۔ جیسا کہ بعض علماء حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گیارہ رکعات والی حدیث کو وتر وں پر محمول کرتے ہیں اور تراویح اور تہجد میں تغایر ثابت کرتے ہیں۔ اس کا یہ نظریہ بالکل باطل ہے اور اس کے بطلان کی وجہ ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ نے یہ بات اس سائل کے جواب میں فرمائی جس نے حضرت عائشہ سے رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے بارے میں سوال کیا تو اس کو صرف وتر، تہجد، نماز پر محمول کرنا کیسے درست کہا جا سکتا ہے۔ ان لوگوں کی اس بات سے مترشح ہو رہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی راتوں میں دو نمازیں پڑھتے تھے تراویح جس کی رکعات کا تعین نہیں اور تہجد جس کی زیادہ سے زیادہ گیارہ رکعات تھیں۔ پس یہ ایک ایسی

غلط بات ہے جس کو ثابت کرنا ناممکن ہے۔ بلکہ متواتر حدیثیں موجود ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز گیارہ رکعات سے زیادہ نہ تھی۔ رمضان میں اس کا نام تراویح اور غیر رمضان میں اس کا نام تہجد ہے۔

مسئلہ تراویح میں ہمارا اور ہمارے مخالفین کا نقطہ نظر

ہمارا نقطہ نظر بالکل واضح ہے کہ ہم تراویح کی رکعات کے بارے میں نص صریح سے متجاوز ہونا نہیں چاہتے۔ لیکن ہماری اس بات سے کسی شخص کو اس وہم میں بھی مبتلا نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ ہم ان لوگوں کو گمراہ اور بدعتی سمجھتے ہیں۔ جو ہمارے مسلک کی موافقت نہیں کرتے جیسا کہ بعض مفسدہ پرداز لوگ اس غلط بات کی ہماری طرف نسبت کرتے ہوئے ہمیں ہدفِ مطاعن بناتے ہیں اتنی بات قطعی ہے کہ ہم نص صریح کی مخالفت کو ناجائز اور بدعت تصور کرتے ہیں اس لئے کہ شرعاً جس بدعت کو مذموم کہا گیا ہے وہ بدعت ہے جس کو شریعت کی مشابہت کا رنگ دیکر دین اسلام میں ایجاد کیا جاتا ہے جس پر اس لئے زور دیا جاتا ہے تاکہ مبالغہ کے ساتھ عبادتِ خداوندی میں محویت پیدا کی جائے[۱] پس وہ شخص جو اس غرض سے بدعات کا دروازہ کھولتا ہے تاکہ عبادتِ خداوندی میں مبالغہ آرائی کی جلوہ نمائی ہو سکے۔ حالانکہ وہ انسان اچھی طرح سمجھتا ہے کہ اس کو شریعتِ اسلامیہ کے ساتھ کوئی لگاؤ نہیں۔ پس ایسے انسان پر بدعتی کا اطلاق کرنا احادیث صحیحہ کی روشنی میں بالکل صحیح اور درست ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص عدم واقفیت کی بنا پر بدعات کا ارتکاب کر رہا ہے نیز عبادت میں مبالغہ آرائی بھی مطلوب نہیں تو ایسے انسان کو ان احادیث کی روشنی میں بدعتی نہیں کہا جائے گا۔ درحقیقت وہ لوگ بدعتی کہلانے کے صحیح حقدار ہیں جو سنّت اور حدیث کی تشہیر کے راستوں پر اس انداز سے چلتے ہیں کہ ہر قسم کی بدعات کو مستحسن قرار دیتے ہیں۔ ان کے قلوب میں نہ تو علم وہدایت کی روشنی ہے اور نہ ہی کوئی کتاب اللہ سے کچھ وابستگی بلکہ یہ لوگ اہلِ علم وفضل کی تقلید سے بھی کوسوں دور ہیں۔ ان لوگوں کا وطیرہ یہ ہے کہ اپنے نفسانی خواہشات کی تسکین اور عوام الناس میں سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے بدعات کی اشاعت میں رواں دواں رہتے ہیں۔

البتہ وہ لوگ جو اپنے علم ومرتبت کی وجہ سے عوام میں اچھی شہرت رکھتے ہیں ان میں اخلاص سچائی اور پاکبازی جیسے خصائل حمیدہ موجود ہیں۔ خصوصاً آئمہ اربعہ جو کہ درجہ اجتہاد پر فائز ہیں

---

[۱] الابداع فی مضار الابتداع ص۱۵

ان کو ہم کبھی بھی بدعتی نہیں کہہ سکتے۔ ان کے بارے میں ہمارا یقین ہے کہ ان لوگوں نے کبھی بھی عبادات میں غلو اختیار کر کے کسی بھی بدعت کو مستحسن انداز میں پیش نہیں کیا۔ ان آئمہؒ کے بارے میں ہم حسن ظن رکھتے ہیں اور اس قسم کی آلودگیوں سے ان کے دامن کو داغدار نہیں سمجھتے جبکہ وہ خود بدعات کے ایجاد سے روک رہے ہیں۔ ان کے ارشادات وفرامین کا تذکرہ ایک مستقل کتاب (بدعت) میں عنقریب ناظرین کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔

البتہ اگر ان آئمہ سے کسی مسئلہ میں خطاً کوئی غلط فتویٰ منقول ہے۔ نیز بحث وتجسس کے بعد معلوم ہو چکا ہے کہ ان کا قول کتاب وسنّت کے مطابق نہیں تو اس پر بھی ان کا مواخذہ نہیں ہوگا بلکہ ان بزرگوں کی غلطیوں کو نہ صرف قابلِ عفو سمجھا جائے گا بلکہ عنداللہ یہ لوگ ثواب کے بھی مستحق ہوں گے۔

چنانچہ اس بات پر تقریباً تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی عالم دین بدعت کو سنت سمجھ کر یا حرام کو حلال خیال کر کے اس کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ تو اس کا یہ فعل عنداللہ قابلِ عفو ہے۔ روزمرّہ آپ اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ بعض مسائل میں علماء کا آپس میں شدید اختلاف موجود رہے۔ لیکن وہ لوگ نہ تو ایک دوسرے کو گمراہ کہتے ہیں اور نہ ہی اس کے بدعتی ہونے کا حکم صادر کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کی وضاحت ذیل کی مثال سے کی جاتی ہے۔

اختلاف صحابہ کی مثال

سفر میں نماز کے اتمام پر صحابہ کے دور سے اختلاف چلا آتا ہے۔ بعض صحابہ اتمام کے جواز کے قائل ہیں جبکہ دیگر صحابہ اتمام سے منع کرتے ہیں بلکہ اتمام کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ لیکن اسکے باوجود اپنے مخالفین کو بدعتی کے لقب سے نہیں پکارتے۔ چنانچہ عبداللہ بن عمر کا قول دو صحیح اسناد سے مروی ہے کہ سفر میں نماز دو رکعت ہے۔ جو شخص بھی اس کی مخالفت کرے گا وہ کافر ہے۔ لیکن جن لوگوں نے اس سنت کی مخالفت کی عبداللہ بن عمر نے نہ تو ان کو کافر کہا اور نہ ہی ان پر بدعتی ہونے کا فتویٰ صادر فرمایا۔ بلکہ عبداللہ بن عمر نے جب کسی ایسے شخص کی اقتداء میں نماز ادا کی جس نے قصر نہ کی تو عبداللہ بن عمر نے بھی پوری نماز پڑھی۔ چنانچہ مسند ابی عوانہ میں عبداللہ بن عمر سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم منیٰ میں نماز قصر پڑھتے۔ البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے آخری دور میں پوری نماز پڑھی۔ پس عبداللہ بن عمر جب ان کی اقتداء میں نماز پڑھتے تو چار رکعت پڑھتے اور جب اکیلے

پڑھتے تو دو رکعت پڑھتے ۔ عبداللہ بن مسعود سے بخاری شریف جلد ثانی ص۴۵ میں منقول ہے ۔ کہ جب انہیں عثمان کے پوری نماز پڑھنے کا علم ہوا تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہا غور کیجئے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایسے لوگوں کو نہ تو بدعتی کہتے ہیں اور نہ ہی گمراہ سمجھتے ہیں جو ان کے نظریہ کے خلاف سفر میں نماز کا اتمام کرتے ہیں ۔ اگرچہ ان کا اتمام سنت کے خلاف ہے اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن عمر سمجھتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نماز کو پورا پڑھنا کسی نفسانی خواہش کے پیش نظر نہ تھا بلکہ اجتہاداً تھا ۔ ابو داؤد میں زہری روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بدویوں کی وجہ سے منیٰ میں نماز کا قصر کرنا مناسب نہ سمجھا ۔ دراصل انہیں معلوم کرانا تھا کہ اصل نماز چار رکعت ہے ۔ چنانچہ عبداللہ بن عمر اس بنیاد پر ان کے پیچھے چار رکعت پڑھ لیتے تھے ۔ اسی لئے ان کے اس فعل کو ہم راہِ اعتدال کے نام سے موسوم کرتے ہیں ۔ ہم تمام مسلمانوں کے لئے اس بات کو واجب قرار دیتے ہیں کہ وہ اپنے اختلافی مسائل کو اس نہج پر حل کرنے کی کوشش فرمائیں ۔ تاہم انہیں اس بات کی کھلی اجازت ہے کہ وہ اپنے اس نظریہ کا پرچار کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں جس کو کتاب وسنت کے موافق سمجھتے ہیں لیکن مخالفین کو گمراہ اور بدعتی کہنے سے اجتناب کریں ۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں اس مسئلہ میں کچھ اشتباہ لاحق ہو گیا ہے ۔ بس یہی وہ مسلک اعتدال ہے جس سے مسلمانوں کی وحدت کو قائم رکھا جا سکتا ہے ۔ اور ان کو ایک دھاگے میں پرویا جا سکتا ہے ۔ نیز اس سے راہِ حق کے نشانات منور رہ سکتے ہیں ۔ لیکن مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنا حنفیوں کا شافعی امام کے پیچھے اور شوافع کا حنفی العقیدہ امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اسلام کی روح کے منافی ہے ۔ سلف صالحین میں اس قسم کا افتراق موجود نہ تھا ۔ وہ لوگ صاف دلی کے ساتھ ایک امام کے پیچھے اکٹھے نماز ادا کرتے متعدد امام بنانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے

ہمارا مسلک

چنانچہ مسلمانوں کے درمیان اختلافی مسائل میں ہمارا مسلک بالکل واضح ہے کہ جس بات کو ہم حق سمجھیں احسن انداز میں اس کا اظہار اور اس کی تبلیغ کی جائے ۔ اور جو لوگ کسی اشتباہ کی وجہ سے اس کے مخالف ہوں ان کو گمراہ نہ کہا جائے ۔ جب سے خداوند تعالیٰ نے ہمیں سیدھے راہ کی توفیق عطا

حاشیہ ۱ ابو داؤد ج ۱ ۔ ص۳۰۸

فرمائی ہے۔ ہم تو اسی راہ پر گامزن ہیں۔ اتباعِ سنّت ہمارا شیوہ ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ وہ لوگ جو مسلمانوں کو کافر اور گمراہ کہنے میں جلد بازی سے کام لے رہے ہیں۔ وہ اپنے اس طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کریں اور اس خیال سے قطعاً تائب ہو جائیں کہ فلاں انسان کی اقتدا میں نماز پڑھنا مکروہ یا بالکل باطل ہے۔ چونکہ اس کا تعلق فلاں فرقہ سے ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس قسم کے غلط ذہن رکھنے والے لوگ پوری ڈھٹائی کے ساتھ ایک مسجد میں دو جماعتیں کرانے کی غلط رسم پیدا کرتے ہیں خصوصاً رمضان المبارک میں وتر نماز کی جماعت میں جب امام تین رکعت کو فصل کی صورت میں ادا کرتا ہے تو یہ لوگ اس کی نماز کو صحیح نہیں سمجھتے۔ حالانکہ افضل بات یہی ہے کہ وتر نماز کو فصل کی صورت میں پڑھا جائے۔ پس ان کا مؤقف یہ ہے کہ جب ان سے پوچھا جائے کہ آپ کا مسلک صحیح ہے تو کہیں گے کہ ہمارا مسلک صحیح ہے لیکن خطا کا بھی احتمال ہے اور جب ان سے ان کے مخالفین کے مسلک کی صحت کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو صاف کہتے ہیں کہ ان کا مسلک غلط ہے لیکن احتمالِ صحت کا بھی ہے۔

پس اسقدر صاف گوئی کے بعد کوئی عقلمند انسان ہم سے کسی قسم کی دشمنی اور بغض و عناد کا مظاہرہ نہیں کر پائے گا۔ اور ہماری طرف ناشائستہ اور ناگفتہ بہ اقوال کی نسبت کرنا ہم پر ظلم اور زیادتی کرنے کے مترادف ہے۔ واللہ حسیبہ

ہمارا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہم نہ صرف اس مسئلہ میں بلکہ دیگر تمام مسائل میں سنّت کی نشر و اشاعت کے خواہشمند ہیں اور لوگوں کو صحیح اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانا چاہتے ہیں بخاری مسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی موجود ہے کہ اگرچہ آپ ایک مسئلہ کی واقفیت ہی رکھتے ہوں تو بھی میری طرف سے اس کو لوگوں تک پہنچا دیجئے ممکن ہے کہ جب ان کے کانوں میں صحیح مسئلہ کی آواز پہنچے۔ تو اس کی صحت کے پیشِ نظر اس کے مطابق اپنی زندگی کو استوار کرنے کا عہد کریں۔ اس طرح دینی سعادتوں کے ساتھ ساتھ اخروی کامرانیوں سے بھی ہمکنار ہو جائیں۔ اور پھر ہمارے نامۂ اعمال میں بھی اس تبلیغ کی وجہ سے اجر و ثواب کا بے بہا ذخیرہ ہماری مسرتوں کو دوبالا کر دے۔ ارشادِ نبوی ہے کہ جو شخص اسلام میں اچھی سنّت کا اجراء کرتا ہے تو اس کے صحیفۂ اعمال میں اس کا اور قیامت تک اس کے مطابق عمل کرنے والوں کا ثواب درج کیا جاتا ہے۔ لیکن جو شخص خواہشات کا دلدادہ نہیں اور نہ ہی آبا و اجداد کی غلط رسوم کی تقلید میں پھنسا ہوا ہے۔ البتہ عدمِ فہم اور کسی اشتباہ کی وجہ سے ہمارے نظریہ کے ساتھ اتفاق نہیں کرتا تو وہ انسان قابلِ ملامت نہیں۔ خصوصاً جبکہ بعض جید قسم کے علماء بھی اس مسئلہ میں ہمارے ساتھ اتفاق نہیں

رکھتے۔ (والتوفیق من اللہ سبحانہ)۔

سنّتِ نبوی کا اتباع ہی محتاط راستہ ہے

سابقہ وضاحت کے بعد کوئی مسلمان اس بات کے کہنے میں توقف اختیار نہیں کرے گا کہ تراویح کی رکعات کی وہ تعداد جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، افضل ہے۔ مسلم شریف میں مروی ہے کہ بہترین طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے پس مسلمانوں کے راستہ میں وہ کونسی رکاوٹ ہے کہ وہ طریق محمدی کو اختیار کرنے سے گریز کر رہے ہیں اور پھر اس حقیقت سے انکار کرنا بھی ناممکن ہے کہ شک و شبہ سے گریز کرنا چاہیئے۔ اور متیقن حقائق کو تسلیم کرنا چاہیئے۔ لہذا گیارہ رکعات سے زائد کو ترک کرنا چاہیئے۔ خصوصاً جب ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر لوگ بیس رکعات تراویح اس قدر تیزی کے ساتھ ادا کرتے ہیں کہ کہنا پڑتا ہے کہ ان کی نماز صحیح نہیں جبکہ اطمینان تعدیل ارکان (جو کہ نماز کا رکن ہے) بالکل مفقود ہے اگرچہ یہ لوگ (جتنے وقت میں بیس رکعات ادا کرتے ہیں) اتنے وقت میں آٹھ تراویح پڑھیں تو ان کی نماز بھی صحیح ہو گی اور علماء کے اتفاق کے ساتھ قابلِ قبول بھی ہو گی۔ ہمارے اس مدعا کی تائید ذیل کی حدیث سے ہو رہی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ کونسی نماز افضل ہے تو آپ نے فرمایا جس میں قیام لمبا ہو۔ پس وہ لوگ جو اسلام کے مدعی ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت پر مضبوطی سے عمل پیرا ہوں

حضرت عمرؓ کا تراویح کی جماعت کی سُنّت کو زندہ کرنا اور گیارہ رکعات کا حکم دینا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام متعدد ائمہ کی اقتدا میں ٹولیوں کی صورت میں نماز تراویح پڑھتے جیسا کہ عہد نبوی میں تین رات جماعت کے ساتھ تراویح ادا کرنے سے پہلے اور بعد کے زمانہ بھی عہد نبوی، خلافت صدیقی اور خلافت فاروقی کے آغاز میں صحابہ کا عموماً یہی معمول رہا کہ وہ مختلف گروہوں کی شکل میں مختلف آئمہ کے پیچھے تراویح ادا کرتے رہے۔ بعد ازاں حضرت عمرؓ نے ان کو ایک امام کی اقتدا میں تراویح پڑھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ عبدالرحمان بن عبدالقاری روایت کرتے ہیں کہ میں رمضان کی

ایک رات حضرت عمرؓ کی معیت میں مسجد نبوی میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ متفرق ٹولیوں کی شکل میں تراویح پڑھ رہے ہیں۔ اگر ایک شخص اکیلا پڑھ رہا ہے تو چند لوگ کسی دوسرے انسان کی اقتدا میں تراویح پڑھ رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ اس صورت حال کو دیکھ کر فرمانے لگے۔ کتنا اچھا ہو اگر ان تمام کو ایک قاری امام کی اقتدا میں اکٹھا کر دیا جائے چنانچہ اس نے ابی بن کعب کی اقتدا میں سب کو یکجا کر دیا۔ دوسری رات حضرت عمرؓ کی معیت میں مسجد نبوی میں جانا ہوا تو حضرت عمرؓ نے لوگوں کو ایک امام کی اقتدا میں تراویح پڑھتے دیکھ کر فرمایا کہ یہ کیفیت اور صورت حال کسقدر مستحسن ہے۔ اور افضلیت اس میں ہے کہ نماز آخر رات میں پڑھی جائے[1]

فتح الباری میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس بات کا استنباط نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے کیا جبکہ صحابہ کرام نے آپ کی اقتدا میں نماز تراویح پڑھی۔ شاید اسی نکتہ کے پیش نظر امام بخاریؒ حضرت عمرؓ کی حدیث کے بعد حضرت عائشہ کی حدیث کو ذکر فرماتے ہیں[2]۔

چنانچہ عہد نبوی میں جماعت تراویح کے استمرار میں جو خدشہ تھا وہ آپ کی وفات کے بعد ختم ہو گیا تو حضرت عمر نے امت مسلمہ میں اتحاد کی سپرٹ اجاگر کرنے اور امت کو اختلاف سے محفوظ رکھنے اور اجتماعیت میں مسرت و ابتہاج کی نعمت سے متمتع ہونے کے لئے جماعت کی سنت کا احیاء کیا۔ چنانچہ جمہور علماء نے حضرت عمرؓ کی رائے کو اپنایا اور اس پر عمل پیرا ہوئے۔

---

[1] مالك فی الموطا (۱/۱۳۶–۱۳۷) وعنه البخاری (۴/۲۰۳) والفریابی (۲/۷۳، ۱/۷۴–۱–۲) ابن ابی شیبه (۲/۹۱/۱) بنحوه دون قوله نعمت البدعة هذه وله عند ابن سعد (۵/۴۲) والفریابی طریق آخر (۷۴/۲) بلفظ ان كانت هذه بدعة لنعمت البدعة ورجاله ثقات غیر نوفل بن ایاس فقال الحافظ فی (التقریب) مقبول یعنی عند المتابعه والا فلین الحدیث کی نص هو علیه فی المقدمه

[2] فتح الباری (۴/۲۰۳–۲۰۴)

متاخرین علماء کے غلط استنباطات

متاخرین علما حضرت عمر کے قول (نعمت البدعۃ ھذہ) سے دو باتیں مستنبط کرتے ہیں۔

اولاً: صلواۃ تراویح کا باجماعت ادا کرنا بدعت ہے اس لئے کہ عہدِ نبوی میں اس کا وجود نہ تھا ان لوگوں کا قول بالکل باطل ہے۔ ان کے بطلان کے واضح ہونے پر وہ حدیثیں واضح طور پہ دلالت کر رہی ہیں جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تین رات جماعت کرانے کا ذکر ہے اور پھر اس خطرہ کے پیش نظر جماعت نہ کرائی کہ کہیں جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنا فرض نہ ہو جائے۔

ثانیاً: بعض بدعتیں مستحسن ہیں اور ان کو حضرت عمر کے قول کی روشنی میں کل بدعۃ ضلالۃ سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا۔ ان کا یہ استنباط باطل ہے۔ اس کی مفصل بحث تو رسالہ بدعت میں تحریر کی جائے گی۔ البتہ حضرت عمر کا بدعت کو اچھا کہنا شرعی معنی کے لحاظ سے نہیں کہ جس کی پہلے کوئی مثال موجود نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ بدعت کی اس تعریف کے لحاظ سے تراویح کی جماعت کو بدعت قرار دینا بالکل غلط ہے جبکہ جماعت تراویح کی مثال عہدِ نبوی میں بھی موجود تھی۔ پس جاننا چاہیئے کہ حضرت عمرؓ بدعت کا لغوی معنی مراد لے رہے ہیں کہ جماعت تراویح کا یہ انداز عہدِ نبوی، عہدِ صدیقی میں متعارف نہیں تھا اور نہ ہی ایک امام کی اقتدا میں لوگ اجتماعی شکل میں تراویح پڑھتے تھے اس لحاظ سے حضرت عمرؓ نے اس کو ایک حادثہ قرار دیا۔ لیکن چونکہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک کی عین موافقت پائی جاتی تھی۔ اس لحاظ سے اس کو بدعت شرعی کی بجائے سُنّت نبوی کے نام کے ساتھ موسوم کیا جائے گا۔ اور اسی مناسبت سے تو حضرت عمرؓ اس کے بارے میں لفظ (نعمت) کا استعمال کر رہے ہیں۔ چنانچہ محققین علماء حضرت عمر کے اس قول کی تشریح کرتے ہوئے یہی معنی مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ عبدالوہاب سبکی اشراق المصابیح فی صلواۃ التراویح کے صفحہ ۱۶۸ میں رقمطراز ہیں:۔

عبدالوہاب سبکی کا قول

ابن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ تراویح کی جماعت میں حضرت عمرؓ نے وہی راستہ اختیار کیا

جس کی نشاندہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی تھی اور جس کو آپ پسند فرماتے تھے۔ البتہ آپ نے جماعت کی مداومت اس لئے نہ فرمائی تاکہ جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنا فرض نہ ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمانداروں پر رحیم و شفیق تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ خوب سمجھتے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد فرائض میں کمی زیادتی نہیں کی جا سکتی پس ان کا جماعت تراویح کو مداومت عطا کرنا دراصل سنت نبوی کا احیاء ہے۔ یہ اعزاز حضرت عمرؓ کے مقدر میں تھا۔ اس لئے انہوں نے اس کو قائم فرما کر اپنے صحیفۂ اعمال میں اس کے اجر و ثواب کو ثبت فرما دیا۔ بلاشبہ حضرت ابوبکرؓ ہر طرح سے حضرت عمرؓ سے بہتر اور مضبوط تھے لیکن اللہ پاک کو منظور تھا کہ یہ فضیلت ان کے حصہ میں آئے۔ اسی لئے حضرت ابوبکرؓ کے دل میں اس کا خیال نہ آیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہر شخص کی الگ الگ خصوصیات ہوتی ہیں[1]۔

علامہ سبکی کا قول

اگر تراویح کی جماعت کا ثبوت نہ ہوتا تو ہمارے لئے ضروری تھا کہ ہم اس کا انکار کرتے اور اس کو باطل قرار دیتے اور مذموم بدعات میں شمار کرتے جیسا کہ ہم شعبان کی پندرہویں رات کی نماز اور صلواۃ الرغائب کو بدعات مذمومہ میں شمار کرتے ہیں

علامہ ابن حجر ہیثمی کا فتویٰ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بعد جزیرۃ العرب سے یہود و نصاریٰ کا اخراج اور ترکوں سے جنگ کرنا چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ہوا ہے۔ اس لئے ان افعال کو ہم بدعت نہیں کہہ سکتے۔ اگرچہ یہ کام عہد نبوی میں وقوع پذیر نہیں ہوئے۔ لہٰذا حضرت عمرؓ کا تراویح کی جماعت کو نعمت البدعتہ کے ساتھ تعبیر کرنا بدعت لغوی کی طرف اشارہ کرتا ہے

---

[1] غالباً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، فتنہ ارتداد فتنہ منکرین زکواۃ وغیرہ کے فرو کرنے میں مصروف رہنے اس طرف توجہ نہ فرما سکے۔ نیز ان کا عہد خلافت بھی تقریباً اڑھائی سال ہے۔ پس اس قلیل عرصہ میں امت کی وحدت کو برقرار رکھنے اور فتنوں کے استیصال میں سرگرم رہے اور اس مسئلہ کی طرف دھیان نہ دے سکے۔ ۱۲ مترجم

کہ پہلے دور میں اس کی مثال موجود نہیں۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بارے میں فرماتے ہیں:۔ **مَاکُنۡتُ بِدۡعًا مِّنَ الرُّسُلِ** (کہ میں ایسا رسول نہیں جس کی مثال پہلے موجود نہ ہو) اس کو بدعتِ شرعیہ کہنا غلط ہے۔ اس لئے کہ بدعت شرعی تو گمراہی ہی گمراہی ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مثال موجود ہے اور جو علماء بدعت کی تقسیم حسن غیر حسن کی طرف کر رہے ہیں اس سے مراد بدعت لغویہ ہے۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ ہر بدعت گمراہی ہے وہ اس سے بدعت شرعی مراد لیتے ہیں۔ غور کیجئے صحابہ کرام عیدین کے لئے اذان کا انکار کرتے ہیں۔ اگرچہ صراحتاً اذان کی نفی موجود نہیں۔ نیز شامی رکنوں کے استلام اور صفا مروہ کی سعی کے بعد طواف پر قیاس کرتے ہوئے دو رکعات نفل پڑھنے کو مکروہ کہتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس جہاں بھی کسی کام کے کرنے کا متقاضی موجود ہے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کو نہیں کیا تو وہاں ترکِ فعل سُنّت ہے اور اس کا کرنا بدعتِ مذمومہ ہے۔ پس آپ کی زندگی میں اگرچہ یہود و نصاریٰ کے اخراج اور قرآن پاک کے جمع کرنے[1] اور تراویح کی جماعت کی مداومت کے مقتضیات موجود تھے لیکن موانعات بھی موجود تھے اس لئے آپ نے ان کا ترک مناسب سمجھا۔ ظاہر ہے کہ مقتضیات سے مراد مکمل مقتضیات ہیں یعنی کوئی مانع موجود نہ ہو۔ پس تراویح کی جماعت کا اگرچہ متقاضی موجود ہے تو اس کا مانع بھی موجود ہے یہ خطرہ کہ کہیں جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنا فرض نہ قرار دیا جائے۔

حضرت عمر کا ۱۱ رکعات تراویح کا حکم دینا

عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید انہ قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب و

امام مالک مؤطا میں محمد بن یوسف سے وہ سائب بن یزید سے روایت کرتے ہیں۔ اس نے بیان کیا کہ عمر بن الخطاب نے ابی بن کعب

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصروفیات اس قدر زیادہ تھیں کہ آپ یہود و نصاریٰ کے اخراج کے لئے مناسب وقت نہ پا سکے۔ اس لئے آپ نے ان کے اخراج کا حکم بطور وصیت کے نافذ فرمایا۔ اور قرآن پاک کا جمع کرنا آپ کے عہد میں مشکل تھا۔ اس لئے کہ عہد نبوی وحی نزول کا زمانہ تھا۔ آپ کے بعد ہی قرآن پاک کو یکجا کیا جا سکتا تھا۔ مترجم

[2] الابداع فی مضار الابتداع صفحہ ۲۲-۲۳

تیما الداری ان یقوما للناس باحدیٰ عشرۃ رکعۃ قال وقد کان القاری یقرء بالمئین حتی کنا نعتمد علی العصی من طول القیام وما کنا ننصرف الا فی فروع الفجر[1]

اور تمیم داری کو گیارہ رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا۔ اس نے بیان کیا کہ قاری سو آیات والی سورتیں پڑھتا یہاں تک کہ ہم طول قیام کو برداشت کرتے ہوئے اپنی لاٹھیوں پر ٹیک لگا لیا کرتے تھے۔ کہیں صبح صادق کے قریب نماز سے فراغت حاصل ہوتی تھی۔ اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔ امام مالک کے استاذ محمد بن یوسف اتفاقاً ثقہ ہیں۔ بخاری مسلم کے "دیگر قابلِ احتجاج ہیں۔ سائب بن یزید صغیر صحابی ہیں حجۃ الوداع میں حج کرنے گئے۔ نیز یہی اثر امام مالک کے طریق سے ابوبکر نیشاپوری فریابی اور بیہقی لائے ہیں۔ نیز امام مالک کی ۱۱ رکعات پر متابعت یحییٰ بن سعید قطان[2]، اسماعیل بن امیہ، اسامہ بن زید، محمد بن اسحاق، اسماعیل بن جعفر[3] سے موجود ہے۔ البتہ محمد بن اسحاق نے ۱۳ رکعات کا ذکر کیا ہے۔ محمد بن نصر مروزی[4] بھی محمد بن اسحاق سے بیان کرتے ہیں کہ قیام رمضان کے بارے میں [illegible] بن یزید کی حدیث سے زیادہ صحیح حدیث اور کوئی نہیں ہے یعنی ۱۳ رکعات پڑھنا۔ معلوم ہوا کہ ۱۳ رکعات کی روایت میں محمد بن اسحاق منفرد ہے۔ لیکن یہ روایت حضرت عائشہ کی روایت کے موافق ہے جس کے بارے میں کہا جا چکا ہے کہ اس میں فجر کی دو رکعتیں شامل کی گئی ہیں۔ پس اس طرح مختلف روایات میں مطابقت ہو جائے گی۔ ابن عبدالبر کا ۱۱ رکعات کی روایت کے بارے میں کہنا کہ اس میں مالک منفرد ہے بالکل غلط ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری[5] نے اس کو وہم باطل کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ زرقانی[6] بھی ابن عبدالبر کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں ابن عبدالبر کی بات درست نہیں ہے۔ اس روایت کو سعید بن منصور نے محمد بن یوسف سے گیارہ رکعات کے الفاظ کے ساتھ ذکر کیا اور سند بھی صحیح ہے جیسا کہ سیوطی نے المصابیح میں اس کی تائید فرمائی ہے۔ اگر دیگر روایات اس کی تائید میں نہ بھی ہوتیں تو صرف اکیلی یہ روایت ہی کافی تھی۔

---

[1] موطا امام مالک (۱/۱۳۷ – ۱۳۸) ابوبکر نیشاپوری فی الفوائد (۱/۱۳۵) الفریابی (۲/۷۵) – ۱/۷۶) بیہقی سنن کبریٰ (۱/۴۹۶) [2] ابن ابی شیبہ فی المصنف (۲/۸۹) [3] ابن خزیمہ (۲/۱۸۶/۱) [4] قیام اللیل (۹۵) [5] تحفۃ الاحوذی (۲/۷۴) [6] زرقانی شرح الموطا (۱/۲۵)

سے ابن عبدالبر کی تردید ہو سکتی تھی۔ غالباً ان روایات کو جمع کرنے کا اولاً اعزاز مجھے ہی حاصل ہوا ہے۔ والحمد للہ علی ذالک۔

حضرت عمرؓ کا ۲۰ رکعات تراویح پڑھنا ثابت نہیں نیز ۲۰ رکعات کی جملہ حدیثیں ضعیف ہیں

گیارہ رکعات والی حدیث کے مقابلہ میں مسند عبدالرزاق کی ۲۱ رکعات والی حدیث پیش نہیں کی جا سکتی ہے[1] ظاہر ہے کہ ۲۱ رکعات کا سند بالکل غلط ہے۔

اولاً: ثقہ رواۃ ۱۱ رکعات کا ذکر کرتے ہیں۔ **ثانیاً** عبدالرزاق منفرد ہے عبدالرزاق اگرچہ مشہور مصنف ثقہ ہیں اور حافظ ہیں۔ لیکن آخر عمر میں نابینا ہو جانے کی وجہ سے حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ حافظ ابن حجر التقریب میں اس کی وضاحت کرتے ہیں اور حافظ ابن الصلاح[2] ان کا شمار ان لوگوں میں کرتے ہیں جن کا آخری عمر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ چنانچہ مقدمہ ابن الصلاح میں امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ یہ راوی آخر میں نابینا ہو گئے تھے جس کی وجہ سے حافظہ صحیح نہ رہا۔ تلقین کرنے والے کی تلقین کو قبول کر لیتے تھے۔ لہٰذا جن لوگوں نے ان سے نابینا ہونے کے بعد سنا ہے ان کے سماع کا کوئی اعتبار نہیں۔ امام نسائی فرماتے ہیں جس نے آخری عمر میں اس سے سماع کیا اس کے سماع میں نظر ہے۔ مقدمۃ الفصل[3] میں نسائی فرماتے ہیں کہ جن رواۃ کے حافظہ میں اختلاط نمودار ہو جاتا ہے۔ ان میں جن تلامذہ نے اختلاط سے پہلے روایت کیا ان کی روایت کو قبول کیا جائے گا۔ مذکورہ اثر مشتبہ روایتوں میں داخل ہے۔ نیز اس میں شذوذ اور مخالفت بھی موجود ہے جو کہ اس کو کمزور بنا رہی ہے۔ فریابی[4] اور بیہقی[5] میں یزید بن خصیفہ کے طریق سے سائب بن یزید بیان کرتے ہیں کہ لوگ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں ۲۰ رکعات تراویح پڑھتے تھے۔ قراء حضرات تقریباً ایک سو آیات تلاوت کرتے حضرت عثمان کے عہدِ خلافت میں لوگ طولِ قیام میں

---

[1] فتح الباری (۴/ ۲۰۰) [2] علوم الحدیث (ص ۴۰۷) [3] مقدمۃ الفصل (ص ۳۹۱)
[4] فریابی (۱/ ۷۶) [5] بیہقی فی السنن (۲/ ۴۹۶) وعزاہ الحافظ فی الفتح (۴/ ۲۰۴) لمالک فوھم)

تکلیف کے پیش نظر لاٹھیوں پر سہارا کرتے۔ ۲۰ رکعات تراویح کو ثابت کرنے والے لوگ اس اثر کو بڑے شدّ و مد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ظاہراً اس کی سند صحیح ہے۔ چنانچہ بعض آئمہ نے اس کی صحت کا اقرار بھی کیا ہے۔ لیکن بنظرِ غائر دیکھا جائے تو اس اثر میں اس کو ضعیف بنانے والے علل موجود ہیں جو کہ اس کو منکر کی قسم میں داخل کر رہے ہیں۔

علّتِ اوّل:۔ ابن خصیفہ اگرچہ ثقہ ہے لیکن امام احمد بن حنبل نے اس کو منکر الحدیث کہا ہے۔ امام ذہبی کا اس کو میزان میں ذکر کرنا دلالت کرتا ہے کہ یہ راوی متکلّم فیہ ہے۔ امام احمد کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن خصیفہ کبھی کبھی ایسی روایات میں منفرد رہ جاتا ہے جنکو ثقہ راوی روایت نہیں کر رہے ہیں[1]۔ پس ایسے انسان کی حدیث کو اس وقت رد کر دیا جائے گا جبکہ وہ اپنے سے احفظ کی مخالفت کرے۔ پس اصولِ حدیث کی روشنی میں اس کو شاذ کہا جائے گا۔

نیز اس روایت میں سائب بن یزید سے محمّد بن یوسف اور ابن خصیفہ روایت کر رہے ہیں اور ان دونوں کا بیان ایک دوسرے کے مخالف ہے۔ محمّد بن یوسف ۱۱ رکعات اور ابن خصیفہ ۲۱ رکعات بیان کرتے ہیں۔ البتہ ترجیح محمّد بن یوسف کی روایت کو حاصل ہے۔ اس لئے کہ وہ ابن خصیفہ سے اوثق ہے۔ دیکھئے حافظ ابنِ حجر، محمّد بن یوسف کو ثقہ ثبت کہتے ہیں جبکہ ابن خصیفہ کے بارے میں صرف ثقہ کا وصف ذکر فرماتے ہیں۔ پس اس وضاحت کے پیش نظر ۱۱ رکعات والی روایت کو ترجیح ہوگی۔ کما لا یخفی علی الخبیر بھذا العلم الشریف۔

علّتِ ثانیہ:۔ ابن خصیفہ کی روایت میں گنتی کے تعیّن کے لحاظ سے اضطراب ہے۔ ابن خصیفہ کبھی سائب بن یزید سے گیارہ رکعات اور کبھی ۲۱ رکعات کا ذکر آتا ہے اور ۲۱ رکعات کے اثر میں حسبت کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ پس اس روایت میں ۲۱ کا ذکر ۲۰ رکعات والی حدیث کے خلاف ہے اور حسبت کے لفظ کا استعمال ابن خصیفہ کے اضطراب پر دلالت کرتا ہے۔ خصوصاً جبکہ اس کو اس گنتی پر یقین نہیں ہے بلکہ اس کا ذکر بصورتِ ظن کر رہا ہے پس عدم تیقّن کے پیش نظر یہ اثر ساقط الاعتبار ہوگا۔ نیز یہ راوی اپنے سے زیادہ احفظ کی مخالفت کر رہا ہے تو اس صورت میں اس کا قابلِ حجت ہونا محلِ نظر ہوگا۔

علّتِ ثالثہ:۔ محمّد بن یوسف، سائب بن یزید کا بھانجا ہے۔ پس اس قرابت

---

[1] الرفع والتکمیل لابی الحسنات علی اللکھنوی ص ۱۴-۱۵

کے پیش نظر محمد بن یوسف اپنے ماموں کی روایت کو کسی بھی دوسرے راوی سے زیادہ جانتا ہے۔ لہٰذا جس عدد کو محمد بن یوسف نے بیان کیا ہے اس کو ترجیح ہوگی۔ نیز یہ اثر حضرت عائشہ کی مرفوع روایت کے بھی موافق ہے۔ نیز حضرت عمرؓ کے فعل کو سنتِ نبوی کے موافق قرار دینا مناسب ہے بہ نسبت اس کے کہ ان کے فعل کو سنتِ نبوی کے مخالف قرار دیا جائے۔ پس اس وضاحت سے ہر صاحب نظر انسان سمجھ سکتا ہے کہ (الاصابہ) کے مؤلفین نے ۲۰ رکعات والی حدیث کو صحیح بنانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ کسی غیر صحیح حدیث کو صرف زبان کے ساتھ صحیح کہہ دینے سے اس کی صحت ثابت نہیں ہو سکتی۔ صحت کو ثابت کرنے کے لئے دلائل پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ شاعر کا شعر ان کی علمی بے بضاعتی کا واضح نقشہ پیش کر رہا ہے۔

والدعاوی مالم تقیموا علیها بینات ابناؤها ادعیاء کما لا یخفی	جن دعووں پر آپ دلائل قائم کرنے سے عاجز ہیں ان کی مثال اولاد الزنا کی ہے۔

ابن عبد البر بیان کرتے ہیں کہ حارث بن عبد الرحمان بن ابی ذباب، سائب بن یزید سے بیان کرتے ہیں:-

قال کان القیام علی عهد عمر بثلاث وعشرین رکعة[1] ۔	کہ حضرت عمر کے دورِ خلافت میں ۲۳ رکعات کے ساتھ قیام ہوتا تھا۔

اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ اس لئے کہ اس سند میں ابن ابی ذباب راوی کا حافظہ ضعیف ہے۔ چنانچہ ابن ابی حاتم الجرح والتعدیل میں فرماتے ہیں میرے باپ نے بیان کیا کہ دراوردی اس سے منکر روایات بیان کرتا ہے لہٰذا وہ قوی نہیں۔ نیز یہ کتب حدیثیہ کے ریمارک پیش کرتا ہے۔ ابو زرعہ کہتے ہیں لاباس بہ اسی لئے امام مالک کے نزدیک وہ قابلِ اعتماد نہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر تہذیب میں بیان کرتے ہیں اور التقریب میں صدوق یہم کا لفظ ذکر کرتے ہیں۔

پس ان اوصاف والے راویوں کی حدیث قابلِ حجت نہیں جبکہ اس میں وھم کے ساتھ ساتھ ثقہ ثبت اوصاف والے رواۃ کی مخالفت بھی موجود ہے کہ ثقہ ثبت وصف والا

---

[1] عمدۃ القاری (۵/۳۵۷)

راوی محمد بن یوسف ۱۱ رکعات کا ذکر کرتا ہے۔ کما سبق ابن عبد البر کی کتاب اس وقت ہمارے سامنے نہیں ہے کہ ہم تمام سند کو دیکھ سکتے۔ البتہ ابن عبد البر تک سند صحیح ہے۔

یزید بن رومان کی روایت

کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرین رکعۃ[1]۔

یزید بن رومان بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں رمضان میں لوگ ۲۳ رکعات تراویح کا قیام فرماتے تھے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ یزید بن رومان کی حضرت عمرؓ سے ملاقات نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ زیلعی بھی نصب الرایہ میں اس کی تائید فرماتے ہیں[2]۔ امام نووی بھی اس اثر کو کمزور کہہ رہے ہیں[3]۔ امام بیہقی اس اثر کو مرسل قرار دیتے ہیں اس لئے کہ یزید بن رومان کی ملاقات حضرت عمرؓ سے نہیں ہے۔ علامہ عینی بھی اس روایت کو کمزور قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں انقطاع ہے[4]۔ پس یہ روایت اس قابل نہیں کہ اس سے دلیل لی جاسکے جبکہ یہ روایت ضعیف اور منقطع ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت عمرؓ سے مروی صحیح روایت کے مخالف ہے جس میں ۱۱ رکعات کا ذکر ہے۔

ابن ابی شیبہ کی روایت

روی ابن ابی شیبۃ فی المصنّف عن وکیع عن مالک عن یحیی بن سعید ان عمر بن الخطاب امر رجلا ان یصلی بھم عشرین رکعۃ[5]

ابن ابی شیبہ (المصنف) میں وکیع عن مالک عن یحیی بن سعید بیان کرتے ہیں کہ عمر بن الخطاب نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ ان کو ۲۰ رکعات پڑھائے لیکن یہ اثر بھی منقطع ہے۔

مولانا عبدالرحمان مبارکپوری فرماتے ہیں[6] کہ علامہ شوق نیموی نے اس اثر کے رجال کو

---

[1] مالک (۱/۱۳۸) وعنہ الفریابی (۱/۷۶) وکذا البیہقی فی السنن (۲/۴۹۶)
[2] نصب الرایہ (۲/۱۵۴) [3] المجموعہ (۴/۳۳) [4] عمدۃ القاری (۵/۳۵۷)
[5] مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۸۹، ۲/۸۹) [6] تحفۃ الاحوذی (۲/۸۵)

ثقہ کہا ہے۔ لیکن یحییٰ کی ملاقات حضرت عمرؓ سے نہیں ہے۔ پس نیموی کا کہنا درست ہے کہ اثر میں انقطاع ہے اس لئے استدلال کے قابل نہیں۔ نیز حضرت عمرؓ سے جو اثر صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو ۱۱ رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا۔ اس کے صراحتاً مخالف ہے اور جو حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے اس کے بھی مخالف ہے۔

امام شافعی، امام ترمذی کا حضرت عمرؓ سے ۲۰ رکعات تراویح کے اثر کو ضعیف قرار دینا

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علی، حضرت عمرؓ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ۲۰ رکعات تراویح مروی ہے[1] امام مزنی، امام شافعی سے نقل کرتے ہیں[2] کہ انہوں نے حضرت عمرؓ سے ۲۰ رکعات نقل فرمائی ہیں۔ ان دونوں اقوال میں مروی صیغۂ مجہول عدم جزم پر دلالت کرتا ہے جس سے اس کی تضعیف واضح ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں[3]۔ محققین علما کا قول ہے کہ اگر حدیث ضعیف ہو تو اس میں قال، فعل، امر، نہی جزم کے صیغے استعمال نہیں ہوتے۔ بلکہ روی نقل حکی، بلغنا، یقال، یذکر، یحکی، یروی، یرفع، یعزی، تمریض کے صیغے استعمال ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جزم کے صیغے صحیح احادیث آثار اقوال کے لئے موضوع ہیں اور تمریض کے صیغے غیر صحیح احادیث میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ لیکن جمہور فقہا بلکہ جمہور اہل علم، محدثین کے ماسوی اس میں تساہل کر جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ صحیح حدیث کو (روی عنہ) مجہول صیغہ کے ساتھ اور ضعیف روایت کو (قال) جزم کے صیغہ کے ساتھ بیان کر جاتے ہیں۔ ان کا یہ طریق راہِ صواب کے خلاف ہے۔ وفقہم اللہ للصواب۔

۲۰ رکعات تراویح کے آثار باہم تقویت کی افادیت سے عاری ہیں

کچھ لوگ ۲۰ تراویح کے آثار کو فرداً فرداً ضعیف قرار دینے کے ساتھ ساتھ کہتے ہیں کہ چونکہ یہ آثار کثرتِ طرق کے ساتھ مروی ہیں۔ لہٰذا کثرتِ طرق سے تقویت حاصل ہو جائے گی۔ لیکن یہ ادعا دو وجوہ

---

[1] سنن ترمذی (۲/۷۴) [2] مختصر (۱/۱۰۷) [3] المجموع (۱/ ۶۳)

[4] المقدمۃ (ص ۸۶)

کے لحاظ سے باطل ہے۔

اوّلاً:- بظاہر یہ آثار کثرتِ طرق کے ساتھ مروی ہیں لیکن حقیقت میں کثرت طرق موجود نہیں ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے سامنے صرف تین اثر ہیں۔ سائب بن یزید کا اثر جو متصل ہے یزید بن رومان یحییٰ بن سعید انصاری کے آثار منقطع ہیں۔ لہٰذا عین ممکن ہے کہ ایک اثر کا دارو مدار دوسرے اثر کے بعض رواۃ پر ہو اور اس کے خلاف کا بھی احتمال ہے۔ ظاہر ہے کہ احتمال آنے سے استدلال ساقط ہو جاتا ہے۔

ثانیاً:- ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ سائب بن یزید کی صحیح روایت میں ۱۱ رکعات تراویح کا ذکر ہے۔ امام مالک محمد بن یوسف کے مخالف ابن ابی خصیفہ، ابن ابی ذئب کے آثار شاذ ہیں علوم حدیث کی اصطلاحات بتہ دیتی ہیں کہ شاذ روایت مردود اور منکر ہوتی ہے قطعاً قابلِ حجت نہیں چنانچہ حافظ ابن الصلاح مقدمہ میں رقم طراز ہیں[1]۔ جب کوئی راوی کسی جملہ میں منفرد ہو تو ہم دیکھیں گے کہ جس جملہ میں یہ راوی منفرد ہے اس میں اپنے سے احفظ اور اضبط کی مخالفت کر رہا ہے تو اس کی روایت شاذ مردود متصور ہوگی، اور اگر مخالفت نہیں۔ تو اگر ایک راوی نے ایک جملہ زیادہ روایت کیا اور دوسرے نے روایت نہیں کیا تو اگر راوی حافظ ضابط عادل ہے تو اس کی روایت قابلِ قبول ہوگی اگرچہ وہ منفرد ہو۔ ظاہر ہے کہ اس وقت ہم پہلی قسم میں بحث کر رہے ہیں۔ لہٰذا ان کی روایات کو مردود قرار دیا جائے گا۔ پس شاذ اور منکر نہ قابلِ اعتبار ہیں اور نہ ہی قابلِ استشہاد۔ بلکہ ان کا وجود اور عدم وجود دونوں برابر ہیں۔

ہاں! یزید بن رومان، یحییٰ بن سعید کی روایات چونکہ منقطع ہیں۔ لہٰذا ان کا باہم تقویت پہنچانا غلط ہے۔ ایسی صورت میں تقویت کی شرط یہ ہے کہ مرسل بیان کرنے والے راویوں کے شیوخ مختلف ہوں۔ اور یہاں تو معاملہ بالکل واضح ہے جبکہ یہ دونوں راوی مدنی ہیں۔ لہٰذا ممکن ہے کہ وہ بعض روایات میں شیوخ کے لحاظ سے اشتراک رکھتے ہوں[2]۔ خصوصاً اس روایت میں ان کا استاذ ایک ہے اور ممکن ہے کہ وہ مجہول یا ضعیف قابلِ حجت نہ ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان دونوں کے شیوخ مختلف ہوں اور وہ دونوں ضعیف قابلِ اعتبار نہ ہوں اور چونکہ ابن خصیفہ اور ابن ابی ذئب دونوں مدنی ہیں اس لئے یہی ان کے شیوخ ہیں اور ان دونوں نے اس روایت میں خطا کی ہے۔ کما تقدم۔ پس اس لحاظ سے یزید بن رومان اور یحییٰ بن سعید کی روایتیں غلط ناقابلِ اعتبار

---

[1] المقدمہ (ص ۸۶) [2] نتائج الافکار للامیر الصنعانی (۱/۲۸۸)

ہوگئیں اور احتمال استدلال کو ساقط بنا دیتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابنِ تیمیہ رقمطراز ہیں۔

حافظ ابنِ تیمیہ کا قول

مُرسل روایات کے قبول اور عدم قبول میں اختلاف ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ مرسل کی تین قسمیں ہیں مقبول، مردود، موقوف۔

وہ مرسل روایات جو ثقہ راویوں کے مخالف ہوں مردُود متصوّر ہوں گی۔ لیکن اگر مرسل روایت دو اسانید کے ساتھ مروی ہے جس میں رواۃ کے شیوخ مختلف ہیں تو اس روایت کو صحیح سمجھا جائے گا۔ اس لئے کہ عادتاً دو مختلف راویوں سے یکساں بیان کرنا غلط متصوّر نہیں ہو سکتا چنانچہ کچھ لوگ جو اس شرط سے ناواقف ہیں وہ بعض ایسے واقعات کو صحیح کہہ دیتے ہیں جن کا بطلان واضح ہے۔ جیسا کہ مشہور واقعہ ہے کہ آپ نے سُورۂ نجم تلاوت فرماتے ہوئے کفّار کے بتوں کی تعریف کرتے ہوئے کہہ دیا:۔

تلك الغرانيق العلىٰ وان شفاعتهن لترتجی۔	یہ اونچا مقام رکھنے والے خدا ہیں اور ان کی سفارش سے ہم پر امید ہیں۔

میں نے اس واقعہ کے ابطال کو اپنے رسالہ (نصب المجانيق لنسف قصّة الغرانيق[۲]) میں مدلّل بیان کیا ہے۔ اس پر سیر حاصل بحث بہت اہم اور قابلِ توجہ ہے۔ فلینظر

---

[۱] مخطوطہ للحافظ ابن عبد الهادی محفوظ فی المكتبة الظاهرية بدمشق۔ (حدیث ۵۔ ق ۲۲۵۔ ۲۲۷)

[۲] علّامہ البانی نے اس واقعہ کے تمام طرق کو ضعیف قرار دیا ہے سند اور متن کے لحاظ سے یہ روایت قابلِ استدلال نہیں۔ ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام معصوم ہیں۔ جیسا کہ بنی اسرائیلی روایات سے سابقہ پیغمبروں مثلاً حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمان علیہما الصّلوٰۃ والسلام کی پوزیشن کو داغدار کیا گیا ہے۔ اس طرح اس واقعہ کی صحت آپ کی عصمت کو مخدوش بنا رہی ہے۔ مقامِ نبوّت اس بات کا متقاضی ہے کہ آپ شیطانی ہتھکنڈوں سے محفوظ رہیں۔ اگرچہ یہ روایت کثرتِ طرق کے ساتھ مروی ہے اور حافظ ابن حجرؒ جیسے محقق انسان غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے جبکہ اُنہوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اس واقعہ کا اصل معلوم ہوتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر متہم بالکذب رواۃ کتنی کثرت کے ساتھ بھی کیوں نہ جمع ہو جائیں تب بھی کثرتِ طرق سے تقویّت حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہاں حافظ [illegible] کی صورت میں تقویّت حاصل ہو سکتی ہے۔ مترجم ۱۲

پس اس اصول کی روشنی میں ہی ان آثار کو دیکھا جائے گا جو حضرت عمرؓ یا حضرت علیؓ سے منقول ہیں تو ان کا بھی ساقط الاعتبار ہونا واضح ہو جائے گا۔ مزید برآں حضرت علیؓ کی بعض روایات جن کا ذکر آئندہ اوراق میں آئے گا ضعیف ہیں۔ لہٰذا ان سے کیسے تقویت حاصل ہو سکتی ہے۔

حضرت عمرؓ سے مروی دونوں روایتوں میں تطبیق

جب حضرت عمرؓ سے مروی بیس رکعات والی روایات ضعیف ہیں تو کونسی ضرورت ہے کہ یہاں تطبیق کی کوئی صورت پیدا کی جائے۔ خصوصاً جبکہ حضرت عمرؓ سے مروی ۱۱ رکعات تراویح والی حدیث بالکل صحیح ہے۔ ظاہر ہے کہ تعارض تو دو صحیح روایات میں ہوتا ہے جو صحت کے لحاظ سے مساوی ہوں اور تطبیق کی کوئی صورت ممکن نہ ہو۔ لیکن ضعیف اور صحیح روایات میں تعارض ہی نہیں ہوتا۔ تاہم بعض علماء نے تطبیق بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں ۱۱ رکعات تراویح پڑھی جاتی تھیں۔ بعد ازاں ۲۳ رکعات پڑھنے لگے حالانکہ اس تطبیق کی ضرورت نہ تھی۔ مولانا عبدالرحمان مبارکپوری اس تطبیق میں طنزاً الزاماً لیکن اقرب الی الحقیقۃ جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ شروع اسلام میں ۲۳ رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے بعد ازاں ۱۱ رکعات تراویح پڑھنے لگے تو تم اس کا کیا جواب دو گے اور پھر حقیقت بھی یہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ۱۱ رکعات تراویح پڑھنا تو ثابت ہے لیکن ۲۳ رکعات پڑھنا ثابت نہیں وھٰذا بین لا یخفیٰ۔

۲۰ رکعات تراویح پڑھنا اگر بفرض محال ثابت بھی ہو جائے تو بوجہ عذر کے تھا جو عذر اب زائل ہو چکا ہے۔

ہم فرض کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اس وضاحت کے باوجود (کہ حضرت عمرؓ سے ۲۰ رکعات کا ثبوت نہیں) اپنی ضد پر قائم ہے اگرچہ کسی منصف مزاج عالم سے اس قسم کی توقع نہیں کی جا سکتی یا بفرض محال اگر کوئی شخص حضرت عمرؓ سے ۲۰ رکعات تراویح کی کوئی صحیح حدیث بیان کرے تو جواباً ہم کہیں گے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم ۱۱ رکعات تراویح کی حدیث پر عمل نہ کریں جو کہ صراحتاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور پھر سنتِ نبوی کے مطابق عمل کرنے پر ہمیں اہلسنّت سے خارج قرار دیا جائے کس قدر افسوسناک طرزِ عمل ہے۔

ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کا ۲۰ تراویح پڑھنا صرف اس کے جواز پر دال ہے۔ اس کے التزام پر دال نہیں ہے۔ پھر حضرت عمرؓ کا فعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے بلحاظ عدد رکعات کے مخالف ہے۔ پس سنتِ نبوی کو چھوڑنا، اس سے اعراض کرنا اور حضرت عمرؓ کے فعل کو دلیل بنا کر اس پر التزام کرنا کیسے جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے فعل سے زیادہ سے زیادہ جواز کا ثبوت مترشح ہو رہا ہے جبکہ افضل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی اقتدا کی جائے اور اس میں بھلا کسے شک و شبہ ہو سکتا ہے۔ ذہن کو یہ خیال دامنگیر ہے کہ اگر بفرضِ محال حضرت عمرؓ سے ۲۰ تراویح پڑھنا ثابت ہے تو شائد ان کے سامنے وہی دلیل ہو جو آجکل بھی پیش کی جاتی ہے کہ ۱۱ رکعات سے زائد پڑھنے سے کونسا مانع موجود ہے۔ لہٰذا طول قیام میں تخفیف کرتے ہوئے رکعات تراویح میں اضافہ کر دیا جائے[1]۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ اس تخفیف قیام کے باوجود فجر کے قریب تراویح سے فارغ ہوتے تھے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ ایک رکعت میں ۲۰، ۳۰ آیات کے قریب پڑھتے تھے[2]۔ نیز رکوع / سجود / جلوس بین السجدتین، قومہ کا طول بھی قیام کے طول کے برابر ہوتا تھا۔ ان میں کافی عرصہ تک تکرار کے ساتھ تحمید و تسبیح کے کلمات پڑھتے تھے[3]۔ سنتِ نبوی تو یہی ہے لیکن آجکل اتنی لمبی قرأت کہاں پڑھی جاتی ہے کہ اس میں تخفیف کرتے ہوئے اس کے بدل رکعات میں اضافہ کر دیا جائے۔
اکثر مشاہدہ یہ ہے کہ آئمہ مساجد اس قدر تخفیف کے ساتھ قرأت پڑھتے ہیں کہ اگر ان سے کہا جائے کہ قرأت طویل ہے اس میں تخفیف ہونی چاہیئے تو ان کا جواب یہ ہوگا کہ تمہارا مطلب تب پورا ہوگا اگر ہم سورہ فاتحہ کے بعد دوسری کوئی سورت نہ پڑھیں یا صرف مدھامتٰن جیسی آیت پر اکتفا کریں چنانچہ کچھ لوگ سورہ فاتحہ اس قدر تیزی اور جلدی کے ساتھ ایک ہی سانس میں پڑھتے ہیں جس سے قرآن پاک کے پڑھنے کی لذت و حلاوت اور اہمیت ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ حالانکہ سورہ فاتحہ کو ایک سانس میں پڑھنا سنت کے خلاف ہے۔ اور جو حدیث سورہ فاتحہ کو ایک سانس میں پڑھنے کی پیش کی جاتی ہے وہ حدیث موضوع ہے جس کی تحقیق الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ[4] میں

۱؎ الفتاوی لشیخ الاسلام ابن تیمیہ (۱/۱۴۸) فتح الباری (۴/۲۰۴) الحاوی للفتاوی للسیوطی (۲/۷۷) ۲؎ ابن ابی شیبہ (۲/۸۹/۲) الفریابی (۲/۷۶) ۳؎ تفصیل میری کتاب صفۃ صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھئے۔ ۴؎ مؤلف کی کتاب ہے۔

موجود ہے۔ یس قرآن پاک کی تلاوت میں سُنّتِ نبوی تو یہ ہے کہ آپ الگ الگ حرف ادا فرماتے اس دَور میں اگر کچھ ایسے آئمہ مساجد موجود ہیں جو قرأت تو کچھ لمبی پڑھتے ہیں لیکن رکوع و سجود وغیرہ کسی صورت میں بھی قیام کے برابر نہیں ہوتا۔ حالانکہ ان سب ارکان کا طول میں ایک دوسرے کے مساوی ہونا مسنون ہے۔ حذیفہ بن یمان کی حدیث میں اس کا بیان گذر چکا ہے۔ پس موجودہ دَور میں جس علت کے پیش نظر تراویح کی رکعات میں اضافہ کیا گیا تھا وہ علت زائل ہو چکی ہے۔ لہٰذا معلول کو بھی زائل سمجھا جائے اور سُنّتِ نبوی کے مطابق " رکعات تراویح لمبی قرأت کے ساتھ پڑھی جائیں نیز رکوع و سجود وغیرہ لمبا ہو اور اس میں تحمید و تسبیح ذکر و اذکار کثرت کے ساتھ کیا جائے

مسئلہ تراویح میں حضرت عمرؓ کی موافقت اور مسئلہ طلاق میں اُنکی مخالفت

میرا عقیدہ یہ ہے کہ وہ مفکرین جن کے پیش نظر اصلاح ہے وہ ہماری رائے کو مضبوط سمجھتے ہوئے سُنّتِ نبوی کی طرف رجوع کریں گے اور حضرت عمرؓ کی رائے کی مخالفت کریں گے یہ لوگ اگر مسئلہ تراویح میں حضرت عمرؓ کی رائے کو اتنا وقیع سمجھتے ہیں کہ اس کی مخالفت کرنے کی سکت نہیں رکھتے تو مسئلہ طلاق ثلاثہ میں ان کی رائے کی مخالفت کو کس لئے جائز قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ مسئلہ طلاق ثلاثہ اہمیت، نتائج اور اثرات کے لحاظ سے مسئلہ تراویح سے کہیں زیادہ فوقیت رکھتا ہے۔ معاشرہ میں اس کی اہمیت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ صحیح حدیث کی روشنی میں جب کوئی شخص اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاق دیتا ہے تو اس کو ایک طلاق سمجھا جائے گا حضرت عمرؓ اور دیگر خلفاء کی حمایت کا دم بھرنے والے (الاصابہ) کے مؤلفین اور ان کے پیروکار طلاق ثلاثہ میں حضرت عمر کی رائے کا احترام کیوں نہیں کرتے جب کہ وہ تین طلاق کو تین قرار نہیں دیتے حالانکہ آئمہ اربعہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

سوال: سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے حدیث نبوی نہ تھی جس میں تین طلاق کو ایک قرار دیا گیا ہے۔

جواب: حضرت عمر رضی اللہ عنہ خوب سمجھتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک قرار دیا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عباس سے منقول ہے[1] کہ عہدِ نبوی،

---

[1] مسلم (۴/۱۸۳-۱۸۴)

عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی کے پہلے دو سال میں تین طلاق کو ایک ہی سمجھا جاتا تھا۔ بعدازاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چونکہ لوگ طلاق دینے میں نتائج سے بے پرواہ ہو کر جلدی میں تین طلاق دے بیٹھتے ہیں حالانکہ مناسب یہ ہے کہ وہ تحمل کے ساتھ طلاق سُنّت کے مطابق دیتے۔ پس ان لوگوں کی غلط روش کی بنا پر میں چاہتا ہوں کہ کیوں نہ ان پر تین طلاق کو ہی نافذ کر دیا جائے چنانچہ انہوں نے اس کا حکم صادر فرمایا۔ لیکن یہ لوگ حضرت عمرؓ کی رائے کو چھوڑ رہے ہیں اس بنا پر کہ معاشرہ کی اصلاح کا تقاضا یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی طرف رجوع کیا جائے اور پھر ان لوگوں کی عجیب حرکتوں میں سے ایک یہ ہے کہ یہ لوگ حافظ ابنِ تیمیہؒ سے شدید عداوت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور محض اس لئے ان کو ہدفِ مطاعن بناتے ہیں کہ وہ سُنّتِ نبوی کے گرویدہ اور شیدائی ہیں۔ بلکہ ان کو اہلِ سُنّت کی جماعت سے خارج سمجھتے ہیں۔ لیکن طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں حافظ ابنِ تیمیہ کی رائے کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں۔ معلوم ہُوا کہ ان لوگوں کے سامنے معاشرہ کے حوادثات، واقعات اور مصالح ہیں۔

سنّتِ نبویّہ کو کچھ حیثیت نہیں۔ عوام الناس کی موافقت اور ان کی رضا جوئی کے لئے پینترے بدلتے رہتے ہیں۔ پس ممکن ہے کہ جس طرح مسئلہ طلاق میں ان لوگوں نے حضرت عمر کی رائے کو چھوڑ دیا ہے اور سُنّتِ نبوی کی طرف رجوع کر لیا ہے۔ اسی طرح مسئلہ تراویح میں بھی حضرت عمر کی رائے کو چھوڑ کر سُنّتِ نبوی کو اپنا شعار بنائیں اور اس پر عمل کرنے میں حقیقی نجات سمجھیں۔ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ زندگی کے تمام شعبوں میں اتباعِ رسول کو اپنا مشن بنائیں۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

فلا وربك لا يومنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما۔	تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔

نیز ارشادِ خداوندی ہے:۔

قد جاءكم من الله نور و كتاب مبين يهدي به الله من اتبع	بیشک تمہارے پاس خدا کی طرف سے نُور اور روشن کتاب آچکی ہے جس سے خدا

رضوانہ سبل السلام و یخرجہم من الظلمت الی النور باذنہ و یھدیہم الی صراط مستقیم ۔
مائدہ ۱۵-۱۶

اپنی رضا پر چلنے والوں کو نجات کے راستے دکھاتا ہے اور اپنے علم سے اندھیرے میں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے اور ان کو سیدھے راستے پر چلاتا ہے ۔

شرعی عدالتوں کے فیصلے

آجکل ملک میں اکثر اسلامی عدالتیں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی رائے کے مطابق ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک قرار دیتے ہوئے فیصلے کرتی ہیں ۔ فیصلوں کی اصل بنیاد عبداللہ بن عباس کی حدیث ہے ۔ ملک کے علماء و فقہاء مقلدین ان فیصلوں پر کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہیں کرتے حالانکہ یہ فیصلے حضرت عمرؓ کی رائے کے خلاف کئے جا رہے ہیں ۔ ان لوگوں کا فرض تھا جو بزعم خویش خلفاء راشدین کی معاونت کا ڈھنڈورا پیٹتے پھرتے ہیں جیسا کہ ان مقلدین نے مسئلہ تراویح میں حضرت عمرؓ کی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے اور ان کے ساتھ اپنی شدید وابستگی کا اظہار کرتے ہوئے صاف صاف کہہ دیا کہ چونکہ حضرت عمرؓ نے ۲۰ تراویح پڑھنے کا حکم دیا ۔ لہٰذا ان کے قول کے پیش نظر ۲۰ تراویح پڑھی جائیں ۔ ان کا رویہ حد درجہ افسوسناک اور تعجب خیز ہے کہ مسئلہ طلاق ثلاثہ میں حضرت عمرؓ کے قول کو کچھ وقعت نہیں دیتے ۔ حالانکہ مسئلہ طلاق ثلاثہ کی اہمیت مسئلہ تراویح سے کہیں زیادہ ہے ۔ غور کیجئے اگر مسئلہ طلاق ثلاثہ میں عبداللہ بن عباس کی حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے کہ اس کو ایک طلاق شمار کیا جائے ۔ تو مسئلہ تراویح میں بھی حضرت عائشہؓ کی صحیح حدیث صحاح میں موجود ہے کہ ۱۱ رکعات تراویح پڑھی جائے ۔ پھر مسئلہ طلاق میں تو حضرت عمرؓ کی رائے کی مخالفت ان سے منقول ایک صحیح اثر میں موجود ہے ۔ لیکن ۱۱ رکعات تراویح حدیث کی مخالفت حضرت عمرؓ سے کسی صحیح اثر میں ثابت نہیں ۔ نیز مسئلہ طلاق میں آئمہ اربعہ میں سے کوئی بھی ابن عباس کی حدیث کے مطابق رائے نہیں رکھتا ۔ لیکن ۱۱ رکعات تراویح والی حدیث کی بعض آئمہ سے موافقت منقول ہے ۔ نیز مسئلہ طلاق میں حضرت عمرؓ کی رائے صراحتاً صحیح حدیث کے خلاف ہے ۔ اس لئے کہ حدیث نبوی بیوی کو خاوند کے حبالہ عقد میں سمجھتی ہے جبکہ حضرت عمرؓ کی رائے میں اب وہ خاوند کی دسترس سے آزاد ہے ۔ لیکن مسئلہ تراویح میں ۱۱ رکعات والی حدیث کو ۲۰ رکعات والی حدیث کے معارض نہیں قرار دیا جا سکتا ۔ اس لئے کہ ۱۱ رکعات

بہر حال ۲ رکعات سے کم ہیں ۔ پس ان ترجیحات کے باوجود کس قدر ناانصافی ہے کہ مسئلہ طلاق ثلاثہ میں حضرت عمرؓ کی رائے کو تسلیم نہ کیا جائے اور مسئلہ تراویح میں ان کی رائے کو وحی الٰہی سمجھا جائے۔

پس کس قدر ستم ظریفی ہے کہ (الاصابہ) کے مؤلفین تمسک سنت کے جذبہ کے پیش نظر ۱۱ رکعات تراویح پڑھنے والوں کو موردِ الزام قرار دے رہے ہیں اور حضرت عمر دیگر خلفا کی مخالفت کا اتہام باندھ رہے ہیں ۔ لیکن جو لوگ طلاق ثلاثہ میں حضرت عمر کے اجتہاد کو چھوڑ کر صحیح حدیث پر عمل پیرا ہوتے ہوئے طلاق ثلاثہ کو ایک قرار دیتے ہیں ۔ ان کے بارے میں ان کی زبانیں گنگ رہتی ہیں حالانکہ اس مسئلہ میں بھی حضرت عمر کی رائے کی مخالفت موجود ہے پس ایک فریق کو موردِ طعن قرار دینا اور دوسرے فریق کو موردِ الزام قرار نہ دینا انصاف نہیں معلوم ہوتا ہے کہ اغراض پرستی کی بنیاد پر حقائق سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے اس قسم کے نازیبا کلمات استعمال کئے جا رہے ہیں اور غلط فتوے لگائے جا رہے ہیں ۔

پانچویں فصل

کسی بھی صحابی سے بیس رکعات پڑھنا ثابت نہیں ۔ نیز بیس رکعات کے آثار کی تحقیق اور ان کے ضعف کا بیان ۔

حضرت عمر کے علاوہ بعض دیگر صحابہ کرام سے بیس رکعات تراویح پڑھنا منقول ہے ۔ لیکن جب ان آثار کو علمی تحقیق کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو کوئی بھی اثر صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا ۔ چونکہ ا[illegible] وقت بہت سے اہل علم بھی د[illegible] کے [illegible] مبتلا ہیں ۔ اس لئے ان کے ضعف کا بیان کرنا ضروری سمجھا گیا ۔

حضرت علی کا اثر :- یہ اثر دو سندوں کے ساتھ مروی ہے ۔

لے اگرچہ پاک و ہند میں علمائے احناف حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کے مطابق ایک مجلس کی تین طلاق کو تین قرار دیتے ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کا روئے سخن اسلامی ممالک کے شوافع کی طرف ہے جو تین طلاق کو ایک قرار دیتے ہیں ۔ مترجم ۱۲

سند اوّل :- عن ابی الحسناء ان علیا امر رجلاً یصلی بھم فی رمضان عشرین رکعۃ[1]

ابوالحسناء راوی ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعات پڑھائے۔

امام بیہقی اس اثر کو ذکر کرنے کے بعد اس کی سند کو ضعیف قرار دیتے ہیں چنانچہ امام ذہبی ابوالحسناء راوی کے بارے میں لا یعرف اور حافظ ابن حجر مجھول کے اوصاف ذکر کرتے ہیں۔ نیز ابوالحسناء اور علیؓ کے درمیان دو واسطے گرے ہوئے ہیں لہذا یہ اثر معضل ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر التھذیب میں ابوالحسناء کے حالات میں ذکر کرتے ہیں کہ ابوالحسناء قربانی اضحیٰ کی حدیث حکم بن عیینہ سے وہ حنش سے وہ حضرت علیؓ سے بیان کرتے ہیں۔ اس سند میں ابوالحسناء اور حضرت علی کے درمیان دو واسطوں کا ثبوت ملتا ہے۔

دوسری سند :- عن حماد بن شعیب عن عطاء ابن السائب عن ابی عبد الرحمٰن السلمی عن علی رضی اللہ عنہ قال دعا علیٌ رضی اللہ عنہٗ القرآء فی رمضان فامر منھم رجلاً یصلی بالناس عشرین رکعۃً وکان علی یوتر بھم[2]

حماد بن شعیب عطا سے عطا ابوعبدالرحمٰن سلمی سے وہ حضرت علی سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی نے رمضان میں قراء کو بلایا تو ان میں سے ایک قاری کو بیس رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا اور حضرت علی ان کو وتر پڑھاتے تھے۔

اس اثر کی سند کمزور ہے۔ عطاء بن سائب کا حافظہ خراب ہو گیا تھا اور حماد بن شعیب بھی سخت ضعیف راوی ہے۔ امام بخاری اس کے بارے میں کبھی فیہ نظر اور کبھی منکر الحدیث کے الفاظ تحریر فرماتے ہیں۔ اور امام بخاری جب کسی راوی کے متعلق یہ الفاظ فرمائیں تو وہ راوی نہ تو قابلِ اعتبار رہتا ہے اور نہ ہی اس کی روایت استشہاد

---

[1] ابن ابی شیبۃ فی المصنّف (۲/۹۰/۱)

[2] بیہقی (۲/۴۹۷)۔ بیہقی (۲/۴۹۶)

کے قابل ہوتی ہے[1] - نیز محمد بن فضیل حماد بن شعیب کی مخالفت کرتا ہے جب کہ اس کے اثر میں عشرین کا لفظ موجود نہیں ہے اور محمد بن فضیل ثقہ راوی ہے۔ معلوم ہوا کہ جب ثقہ راوی حماد ابن شعیب کی مخالفت کرتا ہے تو حماد ابن شعیب ضعیف ہوگا۔ اس اصولِ حدیث کی روشنی میں اس روایت کو منکر کہا جائے۔

ابی بن کعب کا اثر

اس اثر کی بھی دو سندیں ہیں۔ ایک سند میں عبدالعزیز بن رفیع، ابی بن کعب کے بارے میں بیان کرتا ہے کہ وہ رمضان میں مدینۃ الرسول میں بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے[2] - اس سند میں عبدالعزیز اور ابی بن کعب کے درمیان انقطاع ہے جب کہ ان کی وفات میں تہذیب[3] التہذیب کے حوالہ سے ایک سو سال سے بھی زیادہ کا فاصلہ ہے۔ چنانچہ نیموی حنفی لکھتے ہیں کہ عبدالعزیز کی ملاقات ابی سے نہیں ہوئی۔

علامہ عبدالرحمان مبارک پوری نیموی کی عبارت نقل کرتے ہوئے اس کی تائید فرماتے ہیں کہ ابی بن کعب کا اثر منقطع ہونے کے ساتھ ساتھ اس صحیح اثر کے خلاف ہے جو حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ اس نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو گیارہ رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا[4] نیز ابی بن کعب سے صحیح سند کے ساتھ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ اس نے اپنے گھر میں عورتوں کو آٹھ رکعات تراویح اور وتر پڑھائے۔ مسند ابو یعلی میں ہے:-

جاء ابی ابن کعب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یارسول اللہ انہ کان منی اللیلۃ شئ یعنی فی رمضان قال وما ذاک یا ابی	ابن ابی کعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ آج رات میرے گھر میں چند عورتیں جمع ہو گئیں کہنے لگیں ہم قرآن نہیں پڑھ سکتیں۔ لہذا

---

[1] المذاهب للسیوطی و مختصر علوم الحدیث لابن کثیر والتحریر لابن الہمام والرفع والتکمیل لابی الحسنات ص ۵۔ و تحفۃ الاحوذی (۲/ ۷۵) دیکھئے یہ تمام آئمہ متفق ہیں کہ امام بخاریؒ جب کسی راوی کے متعلق منکر الحدیث کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو یہی معنی استعمال کرتے ہیں - ۱۲

[2] ابن ابی شیبۃ فی المصنف (۲/۹۰/۱) [3]

[4] تحفۃ الاحوذی (۲/ ۷۵)

قال نسوة فی داری قلن انا لا نقرء القرآن نتصلی بصلاتك قال فصلیت بھن ثمان رکعات فا وترت فکانت سنة الرضی فلم یقل شیئاً قال الهیثمی فی مجمع الزوائد اسناده حسن[1]

تراویح تیری اقتدا میں پڑھیں گی چنانچہ میں نے ان کو آٹھ رکعات تراویح اور وتر پڑھائے۔ اس پہ آپ خاموش رہے لہٰذا ابی بن کعب کا یہ فعل پسندیدہ سمجھا گیا اور اس کی مسنونیت ثابت ہو گئی۔ اس اثر کی سند کو علامہ ہیثمی نے حسن قرار دیا ہے۔

ابن ابی کعب کے اثر کی دوسری سند الضیاء مقدسی المختارۃ میں ابوجعفر رازی سے وہ ربیع بن انس سے وہ ابوالعالیہ وہ ابی بن کعب سے ذکر کرتے ہیں۔

اَنَّ عمر امر ابیاً ان یصلی بالناس فی رمضان فقال ان الناس یصومون النھار ولا یحسنون[2] ان یقرء وا فلو قرأت القرآن علیھم باللیل فقال یا امیرالمومنین ھذا شیٔ لم یکن فقال قد علمت ولکنہ احسن فصلّی بھم عشرین رکعة۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب کو حکم دیا کہ عوام الناس رمضان میں دن کو تو روزے رکھتے ہیں لیکن رات قیام میں قرآن زیادہ ہونے کے زیادہ قرأت نہیں پڑھتے۔ اگر ہو سکے تو آپ ان کو تراویح میں قرآن سنائیں۔ ابی بن کعب نے امیرالمومنین حضرت عمرؓ سے کہا کہ یہ ایک نیا کام ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا میں بھی جانتا ہوں لیکن یہ صورت حال بہت بہتر ہے۔

چنانچہ ابی بن کعب نے لوگوں کو بیس تراویح پڑھائیں۔ اس اثر کی سند بھی ضعیف ہے اس اثر میں ابوجعفر راوی جس کا نام عیسیٰ بن ابی عیسیٰ بن ماھان ہے امام ذہبی اس کو کمزور راویوں میں شمار کرتے ہیں۔ ابوزرعہ کہتے ہیں وہ وہم بہت زیادہ کرتا ہے۔ امام احمد کبھی لیس بقوی اور کبھی صالح الحدیث کا لقب دیتے ہیں۔ فلاس نے سیئ الحفظ اور بعض دوسرے آئمہ نے ثقہ کہا۔ نیز امام ذہبی الکنیٰ میں کہتے ہیں کہ اس راوی کو تمام علماء مجروح قرار دیتے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے تقریب میں سئ الحفظ اور حافظ ابن قیم نے صاحب المناکیر[3] کہا۔ خصوصاً جس روایت میں راوی منفرد رہ جاتا

---

[1] [2] المختارہ (۱/۳۸۴)

[3] زاد المعاد (۱/۹۹)

ہے۔ اس کو قابلِ صحت نہیں سمجھا جاتا۔ جو شخص اس راوی کی احادیث کا بالاستیعاب ملاحظہ کرے گا اسے اس بات میں کچھ شک و شبہ باقی نہ رہے گا کہ یہ راوی ثقہ راویوں کی روایات کی مخالفت کرتا ہے۔ چنانچہ بطورِ مثال یہ اثر بھی ان آثار سے ہے۔ اس راوی کی مخالفت کی ایک اور مثال اس راوی کی حدیث اسی سند کے ساتھ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں دعائے قنوت پر مداومت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اس دنیا سے رحلت فرما گئے لیکن محققین علماء اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ انس کی صحیح روایت کے مخالف ہے۔ جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منقول ہے کہ آپ صرف اس وقت قنوت فرماتے جب کسی قوم کے متعلق دعا یا بد دعا کرنا مقصود ہوتا۔[1]

پس بیس تراویح والا اثر حضرت عمر کی صحیح سند والی حدیث کے مخالف ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا۔ لہذا یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ابی بن کعب امیر المومنین کے فرمان کی مخالفت کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ خصوصاً جبکہ حضرت عمر کا فرمان سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ فعلی اور تقریری کے عین مطابق ہے۔ نیز اس اثر میں ابی بن کعب کا حضرت عمر سے مخاطب ہو کر کہنا کہ جماعت کے ساتھ تراویح کا ادا کرنا اس سے پہلے ثابت نہیں۔ ابی بن کعب کی زبان سے ان الفاظ کا نکلنا اور حضرت عمر کا ان کی موافقت کرنا مستبعد نظر آرہا ہے جبکہ احادیث صحیحہ سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تراویح کی جماعت ہوئی۔ پس تسلیم کرنا پڑے گا کہ جب یہ دونوں انسان صحابہ کرام میں بلند منصب کے حامل ہیں تو یقیناً یہ دونوں انسان تراویح کی جماعت میں حاضر ہوئے ہوں گے یا کم از کم ان کو تراویح کی جماعت کا علم تو ضرور ہوگا لیکن اثر میں ان کی طرف منسوب کردہ الفاظ کہ تراویح کی جماعت ایک نیا فعل ہے سخت تعجب انگیز ہے۔
خلاصہ بحث یہ ہے کہ ابی بن کعب کا یہ اثر منکر ہے قابلِ حجت نہیں ہے۔

عبداللہ بن مسعود کا اثر

زید بن وہب بیان کرتے ہیں کہ	عن زید بن وھب کان

[1] نصب الرایہ (۲/۱۳۲) الجوہر النقی (۲/۲۰۹) زاد المعاد (۱/۹۹) تلخیص الجبیر ص ۹۳

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یصلی بنا فی شھر رمضان فینصرف وعلیہ لیل قال الاعمش کان یصلی عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رمضان میں تراویح سے فارغ ہوتے تو ابھی رات باقی ہوتی اعمش بیان کرتے ہیں کہ آپ ۲۰ رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے[1]۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری اس اثر کو منقطع قرار دیتے ہیں۔ اسلئے جب کہ اعمش کی ملاقات عبداللہ بن مسعود سے نہیں ہے بلکہ اس اثر کو معضل کہنا مناسب ہے[2]۔

اعمش اور عبد اللہ بن مسعود کے درمیان دو راوی ساقط ہیں۔ مسند ابن مسعود پر گہری نظر رکھنے والا انسان اس بات کو ضرور جانتا ہے۔ البتہ اعمش سے نیچے علامہ عینی کے رواۃ العمدۃ[3] میں ابن نصر سے روایت کردہ طریق کے مطابق صحیح ہیں۔ پس اس اثر کے ضعیف ہونے کی علت انقطاع یا اعضال ہے۔ اگر علامہ عینی کے اس طریق پر آگاہی حاصل نہ ہوتی تو ہم اس وہم میں مبتلا تھے کہ اعمش سے نیچے کوئی راوی صحیح نہیں ہے۔ جبکہ ہمارے سامنے قیام اللیل کا حوالہ تھا۔ جس کی اسانید کو شیخ مقریزی نے حذف فرما کر بہت سی حدیثوں کی صحیح کیفیت کو نظروں سے اوجھل کر دیا۔ کاش علامہ مقریزی اختصار کے پیش نظر اسانید کے حذف کرنے کا کام اگر نہ کرتے تو اس میں اہل علم کو بہت فائدہ ہوتا۔ علامہ طبرانی اس اثر کو زید بن وھب کے واسطہ سے المجمع[3] کے طریق کے موافق اعمش کے قول کے بغیر لائے ہیں۔

پس ۸ تراویح سے زیادہ کے آثار جو صحابہ کرام سے مروی تھے ہم نے ان سب کو نقل کر دیا ہے۔ نیز سیر حاصل بحث کے ساتھ یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ یہ تمام آثار کمزور ہیں۔ چنانچہ امام ترمذی نے بھی ان سب آثار کو ضعیف قرار دیا ہے۔ جس محنت اور جانفشانی کے ساتھ ان آثار کو یکجا تحقیقی انداز میں ذکر کرنے کی سعادت میرے حصہ میں آئی ہے شاید کسی دوسری کتاب کے مؤلف کو اعزاز نہیں ملا۔ فالحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات۔

---

[1] قیام اللیل ص ۹۱۔ کتاب بیش بہا معلومات کا خزینہ ہے۔ احادیث اور نادر آثار کا مجموعہ ہے لیکن علامہ مقریزی کے اختصار اور حذف اسانید کی وجہ سے اس کی افادیت میں کمی واقع ہو گئی ہے۔ اس کے مرتب مشہور محدث محمد بن نصر مروزی ہیں۔ [2] تحفۃ الاحوذی (۷۵/۲)

[3] العمدۃ (۳۵۷/۵) المجمع (۱۷۲/۳)

بیس رکعات تراویح پر اجماع کی حقیقت

کچھ لوگوں کا دعویٰ کرنا کہ صحابہ کا بیس رکعات تراویح پر اجماع ہو چکا ہے ساقط الاعتبار ہے[1] ۔ علامہ مبارک پوری اس اجماع کے دعویٰ کو باطل قرار دیتے ہیں[2] ۔ اس کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اگر اجماع کا دعویٰ صحیح ہوتا تو متاخرین فقہا اس کی مخالفت نہ کرتے۔ حالانکہ تراویح کے بارے میں آٹھ سے کم اور زیادہ دونوں قسم کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں ۔ لہذا صرف کسی کتاب میں اجماع کا ذکر کر دینے سے اجماع ثابت نہیں ہوتا جب اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے جستجو کی جاتی ہے تو ہم اس نتیجہ پہ پہنچتے ہیں کہ اجماع کے بارے میں اکثر دعوے غلط ہیں ۔ چنانچہ اس کی وضاحت ذیل کی مثال سے کی جاتی ہے ۔

مثال :۔ بعض لوگ تین رکعات وتر کے بارے میں اجماع کے مدعی ہیں ۔ حالانکہ اکثر صحابہ سے ایک وتر پڑھنا بھی ثابت ہے ۔

نواب صدیق حسن خاں مرحوم کا ارشاد[3]

اجماع کے متعلق نواب صدیق حسن خاں رقمطراز ہیں کہ اجماع کے ذکر کرنے میں بہت زیادہ سہل انگاری سے کام لیا گیا ہے جو شخص فقہی مذاہب سے معمولی واقفیت رکھتا ہے۔ رہ جاتا ہے کہ مقلدین اس باطل خیال میں مبتلا ہیں کہ فلاں مذہب کے پیروکار جس مسئلہ پر متفق ہو چکے ہیں ان کا اتفاق اجماع ہے ۔ میرے نزدیک اس قسم کا نطق بہت بڑا مفسدہ ہے ۔ نتیجتاً معمولی بصیرت رکھنے والا انسان جب دیکھے گا کہ فلاں کام عوام میں رواج پذیر ہے تو اس پر اجماع کی چھاپ لگانے کی کوشش کرے گا ۔ اگرچہ اس کے اس غلط کام سے اللہ کی مخلوق کو عظیم خطرات سے دوچار ہونا کیوں نہ پڑے کسی دلیل کی روشنی میں تو اس قسم کا فیصلہ عوام الناس پر ٹھونسا جا سکتا ہے۔ لیکن اکثر و بیشتر دیکھا گیا ہے کہ اجماع کے ادعا میں احتیاط کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا جاتا بلکہ

---

[1] العمدۃ (۵/۲۵۷) ، المجمع (۳/۱۷۲) [2] العمدۃ (۵/ ۳۵۰)
مرقاۃ المفاتیح شرح مشکواۃ المصابیح (۲/۱۷۵) تحفۃ الاحوذی (۲/۷۶)
[3] مقدمہ السراج الوھاج من کشف مطالب صحیح مسلم بن حجاج (۱/۳)

مذاہب اربعہ مشہورہ جس مسئلہ میں متفق رائے رکھتے ہوں اس کو اجماع سے تعبیر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ متاخرین علماء میں سے خصوصاً امام نووی اور اس کے انداز کے دوسرے علماء اجماع کے ادعا میں غیر محتاط ہیں۔ صحیح مسلم کی شرح نووی میں اس کی امثلہ دیکھی جاسکتی ہیں۔ یاد رکھیئے علماء اس اجماع کو حجت نہیں مانتے۔ اس لئے کہ آئمہ اربعہ کے مذاہب کے فروغ سے قبل تین زمانوں کو خیر القرون کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ آئمہ اربعہ کا دور خیر القرون نہیں ہے۔ نیز آئمہ اربعہ کے عہد میں ان کے علاوہ بھی تو ایسے بے شمار کبار پائے جاتے ہیں جو کہ درجہ اجتہاد پر فائز تھے۔ نیز ان کے دور کے بعد سے لیکر اس دور تک ہر وقت میں مشہور اہل علم و فضل اجتہاد و استنباط کی دولت سے بہرہ ور موجود رہے ہیں۔ کوئی بھی انصاف پسند انسان اس حقیقت سے انکار کرنے کی سکت نہیں رکھتا۔ اگرچہ راہ اعتزال اختیار کرنا اور انصاف کی بات کہنا خصوصاً اس دور میں بہت مشکل ہے۔ پس صرف آئمہ اربعہ کے اتفاق کو اجماع قرار دینا ان اہل علم کے ساتھ ناانصافی ہے جو کہ خاص طور پر ان آئمہ کے عہد میں علمی جاہ و جلال رکھتے تھے اور جن کا علمی طنطنہ چار دانگ عالم میں پھیلا ہوا تھا۔ پس اللہ پاک کا فضل و کرم ہو تو انسان راہ صواب پر گامزن ہو کر کامیاب و کامران زندگی بسر کر سکتا ہے اور اخروی سرخروئی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ و اذلیس فلیس۔

علامہ شوکانی کا نقطۂ نظر

عموماً بعض تصنیفات میں جب اجماع کی بحث کو دیکھا جاتا ہے تو مطالعہ کرنے والا انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ جس انسان نے اجماع کو نقل کیا ہے اسے اس مسئلہ میں اختلاف کا علم نہیں ہو سکا۔ ظاہر ہے کہ ناقل کا عدم علم، عدم اختلاف کو ملتزم نہیں زیادہ سے زیادہ اس اجماع کو ظن کے ساتھ تعبیر کیا جاسکتا ہے اور ظن کو اجماع کی استناد دلیل اور اس کا مقدمہ قرار دینا صحیح نہیں جب کہ ظن حجت نہیں اور اجماع حجت ہے۔ لہذا ایک فرد کے ظن سے اُمت محمدیہ کو کسی فعل کا پابند کیسے بنایا جاسکتا ہے۔ پس اس شخص کے ادعا کو یوں سمجھا جائے گا جب کوئی انسان کسی مسئلہ میں اعتراف کرتا ہے کہ مجھے اس مسئلہ میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے کوئی رہنمائی نہیں مل سکی ہے تو اس کے قول کو بلا حجت تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح اجماع کے متعلق بلند بانگ کھوکھلے دعووں کو کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے کسی بھی عقلمند انسان سے

یہ اُمید رکھنا عبث ہے کہ وہ ظنی باتوں کو حجت تسلیم کرے گا۔ چہ جائیکہ کتاب و سنّت کا علم رکھنے والا انسان اس بے راہ روی اور جہالت کو خوش آئند قرار دے۔ پس جس اجماع کی بنیاد ظنی قضایا پر استوار کی جائے گی اس کے حجت یا عدم حجت کے بارے میں کوئی اختلاف موجود نہیں۔ اس قسم کے اجماع کو ٹھکرانے کے لئے قطعاً پس و پیش سے کام نہیں لینا چاہیئے جبکہ جمہور اصولیین یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اجماع میں اخبار آحاد کو بھی شرفِ قبولیت سے نہیں نوازا جائے گا۔ جیسا کہ قاضی نے التقریب میں اور امام غزالی نے اپنی کتابوں میں اس اصول کو ذکر فرمایا ہے۔ نیز اس مسئلہ کے دلائل میری کتاب حصول المامول من اصول المامول میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ نیز اس کے دلائل الافلیذ میں اور الطریقۃ المثلیٰ کتابوں میں میرے جید شاگردوں نے ذکر کئے ہیں۔ پس وہ لوگ جو حق کے متلاشی ہیں علمی پیاس کو بجھانے کے لئے کسی چشمہ صافی کی جستجو میں رواں دواں ہیں۔ وہ لوگ ان کتابوں کے علاوہ خصوصاً دلیل الطالب اور حافظ ابن حزم کی لاجواب کتاب احکام الاحکام فی اصول الاحکام جو کہ ۸ جلدوں میں مصر میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہے مطالعہ فرمائیں۔ ان کتابوں میں نام نہاد فرضی اجماعوں کی قلعی کھول کر بیان کی گئی ہے۔ کتاب و سنّت کے دلائل کی روشنی میں اصول و قواعد کا انضباط دلنشیں انداز میں بیان کیا ہے صرف دعاوی پر اکتفا نہیں ہے۔ پس الاصابہ کے مؤلفین کا ادعا غلط ٹھہرا کہ ماسویٰ صدیق اکبرؓ کے دیگر خلفاء راشدین کا ۲۰ رکعات پر استمرار رہا ہے۔ حضرت عثمانؓ کے متعلق ہم ببانگِ دہل اعلان کرتے ہیں کہ ان سے ۲۰ رکعات پر استمرار ثابت نہیں البتہ اگر حضرت عمرؓ سے ۲۰ تراویح کا پڑھنا ثابت ہو جائے تو اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ ۲۰ رکعات پر استمرار کرتے تھے جب کہ ان سے ۱۱ رکعات کی روایت بالاتفاق صحیح ہے۔

پس ان کا ۲۰ رکعات پر استمرار کرنا اور ۱۱ رکعات پر استمرار نہ کرنا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ بلکہ ان کا ۱۱ رکعات پر استمرار کرنا اقرب الی الصواب ہے۔ لہٰذا اگر ہم یقین کے ساتھ کہیں کہ وہ ۱۱ رکعات پر استمرار کرتے تھے تو ہم اس دعوے میں حق بجانب ہوں گے۔ اس لئے کہ صحیح سند کے ساتھ ان سے ۱۱ رکعات پڑھنا ثابت ہے۔

گیارہ رکعات تراویح کا التزام رکھنا اور اسکی دلیل

کسی بھی انصاف پسند انسان سے یہ بات مخفی نہیں کہ صحابہ کرام سے ۲۰ رکعات تراویح پڑھنا ثابت نہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے بھی ۱۱ رکعات کا حکم دیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ۱۱ رکعات تراویح پڑھائی۔ پس ان دلائل کی روشنی میں ہم اس بات کا اعلان کرنے میں حق بجانب ہیں کہ ۱۱ رکعات پر زیادتی جائز نہیں۔ پس ۱۱ رکعات کا التزام ضروری ہے۔ تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل ہو۔

ارشادِ نبوی ہے :-

فانہ من یعش منکم من بعدی فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ زاد فی حدیث آخر وکل ضلالۃ فی النار۔ [1]

تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہا اسے شدید اختلاف کا سامنا کرنا ہوگا لہذا (اختلاف میں) میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کے طریقہ پر چلنا ہوگا اور مضبوطی کے ساتھ اسی راہ پر گامزن رہنا ہوگا۔ نیز خلافِ سنت نئے کاموں کے ایجاد سے احتراز کرنا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ دین میں کسی نئے کام کو ثواب سمجھ کر ایجاد کرنا بدعت ہے اور ہر قسم کی بدعات گمراہی کا سرچشمہ ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں جو کہ جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں اضافہ ہے کہ ہر گمراہی کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

---

[1] احمد (۴/ ۱۲۶، ۱۲۷) ابوداؤد (۲/ ۲۶۱) ترمذی (۳/ ۳۷۷ - ۳۷۸) ابن ماجہ (۱/ ۱۹/ ۳۱) حاکم (۱/ ۹۵ - ۹۷) ترمذی، حاکم، ذہبی نے عرباض کی مروی حدیث کو صحیح کہا۔ دوسری حدیث جس میں زائد الفاظ ہیں اس کو نسائی نے ذکر کیا۔ نسائی (۱/ ۲۳۴) ابو نعیم فی الحلیۃ (۳/ ۱۸۹) بیہقی فی الاسماء والصفات (ص ۸۲) ابن تیمیہ نے اس کو صحیح قرار دیا۔ الفتاویٰ (۳/ ۵۸) زائد جملہ عرباض کی حدیث میں نہیں ہے البتہ جابر کی حدیث میں ہے اور صحیح ہے۔ ۱۲

رکعات تراویح میں اختلاف

رکعات تراویح میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں ۔ چنانچہ اس مسئلہ میں ۸ اقوال مشہور ہیں
پہلا قول ۴۱ ، دوسرا قول ۳۶ ، تیسرا قول ۳۴ ، چوتھا قول ۲۸ ، پانچواں قول ۲۴ ،
چھٹا قول ۲۰ ، ساتواں قول ۱۶ ، آٹھواں قول ۱۱ کا ہے ۔

واضح رہے کہ ان تمام اقوال کو علامہ عینی نے العمدہ[1] میں ذکر فرمایا ہے ۔
پس اس اختلاف کو (جس میں اُمت مسلمہ مختلف گروہوں میں بٹ گئی ہے) نپٹانے کا ایک ہی
طریقہ ہے کہ تمام آراء کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سنّت نبوی کی طرف رجوع کیا جائے ۔
ظاہر ہے کہ سُنّتِ نبوی ۱۱ رکعات تراویح کو ثابت کر رہی ہے ۔ نیز خلفائے راشدین کا عمل بھی
سُنّتِ نبوی کے مطابق ہے ۔

پس ۱۱ رکعات سے زائد پڑھنا سُنّتِ نبوی اور سُنّتِ خلفائے راشدین کے
مخالف ہے ۔ پس ہم بحیثیت مسلمان ہونے کے اس بات کے پابند ہیں کہ عبادات میں
تحسین عقلی کے پیشِ نظر بدعات کی راہ اختیار نہ کریں اور شارع علیہ السّلام کی اتباع سے
انحراف کا راستہ بھی نہ اختیار کریں ۔ تفصیلی بحث رسالہ (بدعت) میں ملاحظہ فرمائیں ۔

۲۰ رکعات تراویح کے استحسان پر بعض عوام یہ کہتے ہیں کہ ۲۰ رکعات میں ۱۱ رکعات
آجاتی ہیں ۔ لہٰذا جو شخص ۲۰ رکعات پڑھتا ہے اس نے ۱۱ رکعات والی حدیث پر عمل کر لیا
ان لوگوں کی یہ بات نہایت مضحکہ خیز ہے اور اس قابل نہیں کہ اس کی طرف التفات بھی کیا جائے
نیز قرائن شرعیہ کی روشنی میں جب اس بات کا حقیقی جائزہ لیا جاتا ہے تو نہ صرف یہ کہ یہ بات ناقابلِ فہم
ہے بلکہ نہایت فرسودہ ہے ۔

قرینہ شرعیہ کی پہلی مثال

عن مجاهد قال جاء رجل الى ابن عباس فقال انى صاحب	مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی عبداللہ بن عباس کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے

---

[1] عینی فی العمدۃ (۵/ ۳۵۶ - ۳۵۷) آخری قول کو امام مالک اور ابوبکر ابن العربی نے اختیار فرمایا
لیکن ان سے ۱۱ رکعات سے زائد کا قول بھی مذکور ہے ۔

لی کنا فی سفر فکنت اتم وکان صاحبی یقصر فقال لہ ابن عباس بل انت الذی کنت تقصر وصاحبك الذی یتم[1]	لگا کہ میں اور میرا ایک ساتھی ہم دونوں سفر میں اکٹھے تھے۔ چنانچہ میں تو پوری نماز پڑھتا رہا اور میرا ساتھی قصر کرتا رہا۔ عبداللہ ابن عباس نے اس سے کہا جو پوری

نماز پڑھتا رہا کہ تو پیغمبر علیہ السلام کے حکم میں کوتاہی کرتا رہا اور جو قصر کرتا رہا اس سے کہا کہ درحقیقت تو صحیح اور پوری نماز پڑھتا رہا۔

پس اس اثر کی روشنی میں آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس جیسے فقیہہ انسان کس بنیاد پر یہ فیصلہ صادر فرما رہے ہیں وہ اس حقیقت کو کیسے فراموش کر سکتے تھے کہ اتباع سنّت نبوی میں ہی ہر قسم کا کمال موجود ہے۔ اور سنّت نبوی کی مخالفت میں ایمان جیسی قیمتی دولت کا ضیاع ہے۔ اگرچہ اتمام میں زیادہ رکعات پڑھی جارہی ہیں اور پھر یہی عبداللہ بن عباس ہیں جن کے متعلق آپؐ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ عبداللہ بن عباس کو دین کی سمجھ عطا فرما اور قرآن پاک کی تفسیر کے لئے اس کے دل کو علم کی ضیا پاشیوں سے منوّر فرما۔

پس جو شخص کم از کم فقیہہ ہونے کا مدعی ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ فقیہہ امت عبداللہ بن عباس کے قول سے تجاوز وانحراف نہ کرے بلکہ انشراح صدر کے ساتھ ان کے فرمودات وتشریحات کو اصول کی حیثیت دے۔ لہذا شریعت کاملہ مطہرہ جن رکعات کا تعیّن کرتی ہے اتنی رکعات پڑھنا کمال ہے اور اس سے زائد یا کم رکعات پڑھنا نقص ہے۔ عین ممکن ہے کہ جو شخص شارع علیہ السلام کے تعیّن رکعات کے خلاف عمل پیرا ہو۔ اس پر شارع علیہ السلام کی مخالفت یا کم از کم (وہ سمجھتا ہے کہ شارع علیہ السلام سے نسیان ہو گیا ہے) نسیان کا الزام لگایا جائے۔ وما کان ربك نسیا۔

قرینہ شرعیہ کی دوسری مثال

ابن المطہر رافضی نے حضرت علیؓ کے محامد واوصاف کے بیان میں تحریر کیا ہے کہ وہ دن رات میں ایک ہزار رکعات نفل پڑھا کرتے تھے۔ اس کی تردید کرتے ہوئے شیخ الاسلام

---

[1] ابن ابی شیبۃ فی المصنف (۲/۱۱۰/۲)

ابنِ تیمیہؒ[1] رقمطراز ہیں کہ ابن المطہر کا یہ قول حضرت علیؓ کی شان میں گستاخی کے مترادف ہے ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو سنّتِ نبوی کے دلدادہ و شیدائی تھے جبکہ نوافل کی مسنونیّت کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ تمام رات کا قیام کرنا مکروہ ہے ۔ اور پھر آپ کا طرزِ عمل بھی یہ تھا کہ آپ رات کو ۱۱ یا ۱۳ رکعات نوافل پڑھتے تھے ۔ اسی لئے تو عبداللہ بن عمرو بن عاص سے آپ نے فرمایا کہ تمام رات کا قیام ٹھیک نہیں ۔ تیرے جسم اور تیری آنکھوں کا بھی تجھ پر حق ہے ۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ علیہ وسلم تو دن رات میں تقریباً ۴۰ رکعات پڑھیں ۔ اور حضرت علیؓ آپ کی مخالفت کرتے ہوئے ایک ہزار رکعات پڑھیں ان سے اس مخالفت کا تصور بھی ممکن نہیں جب کہ حضرت علیؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو خوب جانتے تھے اور آپ کے طریقہ پر چلنے کو اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے ۔

نیز دن رات میں ایک ہزار رکعات رکوع سجود کے اعتدال دیگر آدابِ نماز کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے پڑھنا ممکن نہیں جبکہ حوائج انسانیہ کھانے پینے ، سونے ، قضاءِ حاجت ، مباشرت ، گھریلو دیکھ بھال دیگر انتظامات وغیرہ کے لئے ہر آدمی کو دن رات میں تقریباً نصف دن درکار ہے ۔ باقی نصف وقت میں اگر فی گھنٹہ ۸۰ رکعات پڑھی جائیں تو پھر بھی ایک ہزار رکعات پڑھنا ممکن نہیں اور فی گھنٹہ ۸۰ رکعات پڑھنا تب ممکن ہے اگر قیام میں صرف سورۃ فاتحہ کو پڑھا جائے اور رکوع و سجود وغیرہ میں اعتدال کو ملحوظ نہ رکھا جائے اور بلا اطمینان نماز ادا کی جائے ۔ پس ہم حضرت علیؓ کو اس سے بلند سمجھتے ہیں کہ وہ منافقین کی طرح جلدی جلدی مرغ کے چوگا کھانے کی طرح نماز ادا کرتے ہوں گے جس میں اللہ کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہو ۔

غور کیجئے شیخ الاسلام حافظ ابنِ تیمیہؒ نے حضرت علیؓ کی طرف غلط منسوب کردہ بات کو کس بہترین انداز سے باطل قرار دیا ہے ۔ حضرت علی کی ژرف نگاہی سے یہ توقع رکھنا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہوئے دن رات میں ایک ہزار نوافل پڑھیں گے ان کے حق میں بے ادبی اور ان کی شان میں گستاخی کے مترادف ہے ۔

---

[1] المنتقی من منہاج الاعتدال (ص ۱۶۹ - ۱۷۰)

وہ علماء جو گیارہ رکعات تراویح سے زائد کا انکار کرتے ہیں

خلفاء راشدین اور فقہاء صحابہ کرام ۱۱ رکعات تراویح سے زائد کے قائل نہیں ہیں وہ خوب سمجھتے تھے کہ دین اسلام میں بدعات کا دروازہ کھولنا سخت معیوب فعل ہے تو اب ہمارے لئے بھی مناسب نہیں کہ ہم ۱۱ رکعات سے زائد کے جواز کا فتویٰ دیں یاد رکھئے ہم اس رائے میں منفرد نہیں ہیں بلکہ جلیل القدر ائمہ وفقہاء سلف صالحین اس رائے میں ہمارے ساتھ متفق ہیں چند شہادتیں ملاحظہ فرمائیں۔

شہادت نمبر ۱ ۔ علامہ سیوطی المصابیح فی صلوٰۃ التراویح[1] میں امام مالک کے دو اقوال میں سے ایک کو پیش کرتے ہیں کہ ہمیں علامہ جوزی نے امام مالک کے متعلق بتایا کہ ان کا قول ہے کہ میرے نزدیک ۱۱ رکعات تراویح محبوب ہیں اس لئے کہ حضرت عمر رض نے بھی لوگوں کو ۱۱ رکعات تراویح پر اکٹھا کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تراویح بھی ۱۱ رکعات تھی۔ اور ایک روایت میں ۱۳ رکعات تراویح مع وتر کا ذکر بھی ہے۔ اب میں نہیں جان سکا کہ اتنی زیادہ رکعات کہاں سے آگئی ہیں۔

شہادت نمبر ۲ ۔ امام ابن العربی[2] تراویح کے متعلق حضرت عمر سے منقول متعارض روایات نیز عدم تعین رکعات کے قائلین کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

---

[1] المصابیح فی صلوٰۃ التراویح (۲/۷۷ من الفتاوی به)

[2] عارضۃ الاحوذی شرح الترمذی (۴/۱۹) ۔ سبل السلام (۲/۱۱-۱۲)

فقہاء شافعیہ میں کثرت کے ساتھ اس نسبت کے ائمہ موجود ہیں۔ ایک عمر بن احمد جوری ابو احمد شرقی سے روایت کرتے ہیں اور اسی کے ہم نام دوسرے عمر بن احمد بن جوری، ابو الحسین خفاف سے روایت کرتے ہیں اور تیسرے وجیہہ اور اس کے بھائی زاھر (جس کی کنیت ابو منصور ہے جس کا سن وفات ۴۶۹ ہجری ہے) عمر سے روایت کرتے ہیں ان رواۃ کو حافظ محمد بن ناصر الدین دمشقی نے توضیح المشتبہ صفحہ (۱۶۱/۲/۱۶۲) میں ذکر فرمایا ہے مجھے معلوم نہیں امام سیوطی ان تینوں راویوں میں سے کس راوی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ توضیح المشتبہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے اس کا مخطوطہ مکتبہ ظاہریہ دمشق میں موجود ہے۔ استاد یوسف عش نے بروکلمن کی تقلید کرتے ہوئے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

صحیح بات یہ ہے کہ تراویح ۱۱ رکعات ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ رکعات تراویح کے ساتھ قیام فرمایا زیادہ رکعات کا اصل ثابت نہیں۔ پس کیوں نہ اس حد کو ملحوظ رکھا جائے جس حد کو عہد نبوی میں ملحوظ رکھا گیا جب کہ آپ کی نماز رمضان غیر رمضان میں ۱۱ رکعات تھی۔ پس آپ کی اقتدا فرض ہے۔

شہادت نمبر ۳۔ امام محمد بن اسمٰعیل صنعانی سبل السلام میں فرماتے ہیں ۲۰ رکعات تراویح بدعت ہے اور کوئی بدعت قابل ستائش نہیں ہوتی بلکہ ہر قسم کی بدعت گمراہی کا مبدء ہوتی ہے۔ بدعت کے متعلقات پر تحقیقی بحث رسالہ بدعت میں پیش کی جائے گی انشاء اللہ۔ البتہ مقام کی مناسبت کا تقاضا ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول پیش کیا جائے تاکہ مسئلہ کی تشریح میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ باقی نہ رہے اور جو لوگ ہمیں صحابہ کرام کا دشمن سمجھتے ہیں۔ ان پہ اصل حقیقت منکشف ہو جائے کہ ان کا ہمیں صحابہ کرام کا مخالف کہنا ہم پہ اتہام ہے۔ درحقیقت صحابہ کرام کے مخالف وہ لوگ ہیں جو ان کے اقوال و افعال کے خلاف ۱۱ رکعات سے زائد رکعات کا التزام کرتے ہیں حالانکہ صحابہ کرام سے ۱۱ رکعات سے زائد رکعات کا پڑھنا صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں اور ہم پر یہ الزام عائد کرنا کہ گیارہ رکعات سے زیادہ کے عدم جواز میں ہم منفرد ہیں۔ مذکورہ بالا شہادتوں کی روشنی میں ان کی بات کی عدم صحت واضح ہو رہی ہے۔ پس جو لوگ سنتِ نبوی کے خلاف گیارہ رکعات سے زائد رکعات پر التزام کے ساتھ اصرار کر رہے ہیں ہم ان کے مقابلہ میں غلط زبان استعمال کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔ ہمارا مقصد و منشا صرف یہ ہے کہ سنتِ نبوی کا احیا کیا جائے اور عہدِ نبوی کے تعامل کو عام کیا جائے تاکہ عوام الناس کو جہل و ضلالت کے راہوں سے ہٹا کر رشد و ہدایت کے راہوں پہ چلایا جائے۔ عبد اللہ بن عمر کا ارشاد ہے ہر قسم کی بدعت گمراہی ہے خواہ لوگ اسے اچھا کیوں نہ سمجھتے ہوں۔

(بقیہ حاشیہ) اس کتاب کو مکتبہ ظاہریہ کی فہرست قسم التاریخ میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحریر قرار دیا ہے ان کا یہ کہنا بالکل غلط ہے میرے پاس اس کے غلط ہونے کے دلائل ہیں جنکا ذکر میں نے (مسائل ابی جعفر محمد بن عثمان بن ابی شیبۃ وشیوخہ) پر تعلیق کے مقدمہ میں کیا ہے اور یہ رسالہ ان دلائل کے ذکر کا متحمل نہیں ہے۔

چند شبہات اور بے بنیاد باتیں

خیال رہے کہ ہم گیارہ رکعات تراویح کے استمرار پر اس لئے زور دے رہے ہیں کہ گیارہ رکعات تراویح سنتِ نبوی ہے اور اس سے زائد تراویح پڑھنا سنتِ نبوی کی مخالفت اور اس سے اعراض کرنے کے مترادف ہے۔ لہٰذا ہم ان لوگوں کو بدعتی نہیں کہتے جو گیارہ رکعات تراویح سے زیادہ پڑھتے ہیں۔ جبکہ کسی نفسانی خواہش کی اتباع کرتے ہوئے ایسا نہیں کرتے ظاہر ہے کہ گیارہ رکعات تراویح کے بارے میں علماء کے اقوال موجود ہیں۔ پس ہماری طرف اس بات کو منسوب کرنا کہ ہم ان مسلمانوں کو بدعتی کہتے ہیں ہم پر ناجائز زبان طعن دراز کرنا اور ہمارے خلاف بے بنیاد جھوٹا پروپیگنڈا ہے حاشاھم عن ذالک۔

بلکہ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ عنداللہ اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے جبکہ یہ لوگ اس بات میں کوشاں رہتے ہیں کہ کتاب و سنت کی رہنمائی میں چلا جائے اور جو قول کتاب و سنت کے خلاف ہو اس پر کتاب و سنت کو ترجیح دی جائے۔ چنانچہ امام شافعی فرماتے ہیں۔

اجمع المسلمون علی ان من استبان لہ سنة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم تحل لہ ان یدعھا لقول احد[1]۔

اس چیز پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جس شخص کے سامنے سنتِ نبوی کا راستہ واضح شکل میں موجود رہے اس کیلئے بالکل جائز نہیں کہ وہ کسی کے قول کے مقابلہ میں سنتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ترک کرے۔

پس کسی شخص کے ذہن میں یہ خیال نہیں پیدا ہونا چاہیئے کہ اگر ہم سنتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں ائمہ کے اقوال کی پرواہ نہیں کرتے تو ہم اپنے آپ کو ائمہ سے بلند و بالا سمجھتے ہیں اور ان کے علم و فضل، تقویٰ و دیانتداری کو ہیچ گردانتے ہیں ہرگز نہیں کلا ثم کلا بلکہ ہم تو اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ائمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین خصوصاً ائمہ اربعہ اپنے تلامذہ سے علم و فضل میں فائق تھے۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ تلامذہ نے اپنے ائمہ اساتذہ کی اکثر مسائل میں مخالفت کی ہے۔ علیٰ ہذالقیاس ہر متاخر فقیہہ عالم دین اپنے سے متقدم

---

[1] صفة صلوٰة النبی صلی اللہ علیہ وسلم للشیخ محمد ناصر الدین الالبانی

عالم کی مخالفت کرتا چلا آیا ہے۔ اور جب تک محققین علماء موجود ہیں یہ سلسلہ یونہی چلتا رہیگا بایں ہمہ ان کی مخالفت کا کبھی بھی یہ معنی نہیں لیا گیا کہ وہ اپنے آپ کو ان سے افضل سمجھتے ہیں۔ لہذا ہمارے متعلق یہ تصوّر کیسے کیا جاسکتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو ان سے افضل سمجھتے ہیں جبکہ ہم ان کے مقابلہ میں اپنی علمی بے بضاعتی و بے مائیگی کے معترف ہیں۔ صرف ان کے اقوال کی مخالفت سے یہ نتیجہ اخذ کرلینا درست نہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہماری نسبت ان فقہا ائمہ کرام کے مقابلہ میں وہی ہے جس کا تذکرہ امام عاصم بن یوسف سے منقول ہے۔ (خیال رہے کہ امام عاصم بن یوسف، امام محمدؒ کے شاگرد اور امام ابو یوسف کے رفیق ہیں) ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں اس شدّومد کے ساتھ امام ابوحنیفہ کی مخالفت کرتے ہو۔ انہوں نے جواباً کہا کہ جو علم انہیں میسّر آیا وہ ہمیں نہ مل سکا۔ نیز جس فہم کے ساتھ بحرِ علم میں وہ غوطہ زن ہوئے ہم تشنگانِ تہی دامن ساحل سے آگے قدم نہ رکھ سکے۔ اس لئے کہ ہمارا فہم کوتاہ ہے۔ لہذا جب تک ہم ان کے قول کو نہ سمجھ سکیں ہم ان کے قول کے مطابق فتویٰ نہیں دے سکتے۔

درا اصل امام عاصم کا استدلال امام ابوحنیفہؒ کے ایک قول سے ماخوذ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کسی شخص کو اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ ہمارے قول کے مطابق عمل کرے۔ جب تک کہ اسے یہ معلوم نہ ہو کہ ہمارے قول کا ماخذ کیا ہے۔ پس اس قول کی روشنی میں امام عاصم کو امام ابوحنیفہ کا متبع ہی سمجھا جائے گا۔ اگرچہ مسائل میں باہم مختلف آراء کیوں نہ رکھتے ہوں۔ نیز ہم اللہ پاک کی رحمت کی وسعتوں سے بعید نہیں سمجھتے کہ ائمہ اربعہ کے بعد ان کے مقام کا کوئی امام نہیں آسکتا۔ بلکہ اللہ پاک کی بے پایاں فضل و رحمت کا تقاضا ہے کہ ہر دور میں ایک سے ایک بڑھ کر ہو۔ جب کہ تمام علماء اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ بعض دفعہ مفضول میں وہ خوبیاں اچانک نظر آتی ہیں جو کہ فاضل میں اس مقدار کی نہیں ہوتیں۔ ارشادِ نبوی ہے :۔

امتی کالمطر لا یدری الخیر فی اولہ ام فی آخرہ[1]۔	میری امّت کی مثال بارش کی ہے کیا علم کہ بھلائی اوّل میں ہے یا آخر میں۔

---

[1] ترمذی (۴/۳۰) ترمذی نے حدیث کو حسن کہا۔ (عقیلی صہ ۱۱۰ - ۱۱۱) دیگر کتابوں میں بھی مختلف اسانید کے ساتھ مروی ہے۔

گیارہ رکعات سے کم کیساتھ بھی قیام جائز ہے

سوال :- اگر گیارہ رکعات سے زیادہ منصوص نہیں تو گیارہ رکعات سے کم کا بھی ثبوت نہیں پس گیارہ رکعات سے کم کے جواز پر کونسی حدیث دال ہے ؟

جواب :- کچھ شبہ نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ رکعات کا حکم دیا ہے لیکن آپ کے فعل و قول سے گیارہ رکعات سے کم کا بھی ثبوت ملتا ہے (فعل نبوی)

قال عبد اللہ بن ابی قیس قلت لعائشۃ رضی اللہ عنہا بکم کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر قالت کان یوتر باربع و ثلاث و ست وثلاث وعشر و ثلاث ولم یکن یوتر بانقص من سبع ولا باکثر من ثلاث عشرۃ[1]

عبد اللہ بن ابی قیس بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنے وتر پڑھا کرتے تھے حضرت عائشہ نے کہا آپ ۷، ۹، ۱۳ وتر پڑھتے - البتہ سات سے کم اور تیرہ سے زیادہ نہ پڑھتے -

معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ سے جس حدیث میں یہ وارد ہے کہ آپ تین وتر پڑھا کرتے تھے - اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ تین سے پہلے چار رکعات پڑھتے یعنی آپ کے وتر سات ہوتے نیز طحاوی میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آپ سات ، پانچ وتر پڑھتے اس حدیث میں تین وتر کو بتیراء کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے جس کا معنی بے برکت ہے - چنانچہ علامہ طحاوی اس حدیث کو بیان فرمانے کے بعد لکھتے ہیں کہ میں تین وتر پڑھنے کو مکروہ جانتا ہوں - اگر تین سے پہلے نوافل موجود نہیں - لہٰذا احناف کا حضرت عائشہ کی ایک دوسری حدیث سے استدلال کرنا (کہ وتر کم از کم تین رکعات ہیں) درست نہیں اس لئے کہ حدیث کی صحت ثابت نہیں البتہ تین رکعات وتر پر ابو ایوب کی حدیث سے استدلال کرنا صحیح ہے لیکن احناف اس حدیث سے

---

[1] ابو داؤد (۱/۲۱۴) طحاوی فی شرح معانی الآثار (۱/۱۶۸) احمد (۶/۱۴۹) بسند جید وصححہ الحافظ العراقی فی تخریج الاحیاء (۵۷۳ من نسختی)

استدلال کرنے ... پیز کرتے ہیں جب کہ اس حدیث میں ان کے مذہب کے خلاف ایک رکعت وتر کے جواز کی صراحت ... موجود ہے۔

قول نبوی

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الوتر حق فمن شاء فلیوتر بخمس ومن شاء فلیوتر بثلاث ومن شاء فلیوتر بواحدۃ۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ وتر نماز ثابت ہے لہذا پانچ، تین یا ایک وتر پڑھ سکتے ہو۔ معلوم ہوا کہ وتر ایک رکعت پڑھنا بھی درست ہے۔

چنانچہ سلف صالحین کا عمل بھی اس کی شہادت دیتا ہے۔ نیز صحابہ کرام سے بھی منقول ہے کہ وہ ایک رکعت وتر پڑھا کرتے تھے۔ وتر ایک رکعت سے پہلے نفل نہیں پڑھتے تھے۔ سائب بن یزید سے مروی ہے کہ حضرت عثمان نے ایک رات صرف ایک رکعت وتر میں قرآن پاک ختم کیا مغازی میں حضرت سعد کا ایک رکعت وتر پڑھنا مذکور ہے۔ مناقب کے ابواب میں حضرت معاویہ کا ایک رکعت وتر پڑھنا ثابت ہے۔ نیز عبداللہ بن عباس نے ایک رکعت وتر کو درست قرار دیا ہے معلوم ہوا کہ احناف کا دعویٰ کرنا کہ تین رکعات وتر پر اجماع ہو چکا ہے درست نہیں۔ اسی لئے حافظ ابن حجر نے اس کا رد کیا ہے۔ دار قطنی کی روایت جس میں ایک رکعت وتر کا جواز ملتا ہے اس کو ثقہ راویوں نے مرفوع بیان کیا ہے۔ بیہقی کا اس روایت کو موقوف کہنا بلا وجہ نظر آرہا ہے۔ البتہ یہ روایت کہ تم تین رکعات وتر اس ہیئت سے نہ پڑھو کہ مغرب کی نماز کے ساتھ مشابہت ہو جائے[2] ہاں پانچ، سات، نو، گیارہ یا زیادہ بھی پڑھو یہ روایت (اس لفظ کے ساتھ کہ زیادہ بھی پڑھو) منکر ہے۔ حاکم اگرچہ متساہل ہے لیکن انہوں نے بھی اس روایت کو غیر صحیح قرار دیا ہے اور ان کا اس روایت کو غیر صحیح کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ طاہر راوی مجہول الذات ہے اس کے حالات مطبوعہ مخطوطہ کتب کی چھان بین کے باوجود نہیں مل سکے۔ یہ روایت طحاوی میں موقوف

---

[1] طحاوی (۱/۱۷۳) دار قطنی (ص ۱۸۲) حاکم (۱/ ۳۰۲) بیہقی (۳/۲۷) من حدیث ابی ایوب الانصاری مرفوعاً وقال الحاکم صحیح علی شرط الشیخین ووافقہ الذہبی والنووی فی المجموع (۴/۱۷-۲۲) وصححہ ابن حبان ایضاً کما فی الفتح (۲/۳۸۶)

[2] ابن نصر (۱۲۵-۱۲۶) حاکم (۱/۳۰۴) بیہقی (۳/۳۱) من طریق طاہر من عمرو بن ربیع بسندہ عن یزید بن ابی حبیب عن عراک بن مالک عن ابی ہریرۃ مرفوعاً

شکل میں موجود ہے[1]۔ لیکن گیارہ رکعات سے زیادہ پڑھو کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔ طحاوی، دار قطنی[2] میں یہ روایت ایک دوسری سند کے ساتھ مرفوعاً ابوایوب سے مذکور ہے۔ لیکن اس میں یہ زیادتی موجود نہیں۔ اگرچہ اس کی سند صحیح ہے لیکن حدیث کا یہ جملہ منکر ہے۔ حاکم نے اس روایت کو صحیح علیٰ شرط الشیخین قرار دیا ہے۔ امام ذہبی بھی ان کے موافقین میں سے ہیں۔ اگرچہ یہ روایت ابوایوب کی روایت کے مخالف ہے جس میں تین رکعات وتر پڑھنے کی اجازت ہے۔ لیکن درحقیقت تعارض نہیں ہے۔ چنانچہ اس پر مزید بحث ساتویں فصل میں ناظرین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے البتہ احناف کا ادعا کہ مسلمانوں کا تین رکعات وتر پر اجماع ہوچکا ہے بے بنیاد ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کا رد کیا ہے۔ (فتح الباری (۲/۳۸۵) نصب الرایہ (۲/۱۲۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز اور وتر کن کیفیات کے ساتھ ادا فرماتے رہے؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رات اور وتر کی نماز کی کیفیات مختلف نوعیتوں کی حامل ہیں۔ بالاستیعاب ان تمام کیفیتوں کا ذکر کسی کتاب میں موجود نہیں تھا۔ پس میں نے ضروری سمجھا کہ آپ کے مسنون طریقہ کو واضح کیا جائے تاکہ آپ کی اتباع کرنے والے لوگوں کے سامنے ایک نقشہ متشکل ہوجائے ہم نے محض ثواب کی خاطر خداداد صلاحیتوں کو اس جانب متوجہ کیا ہے۔ وفقنا اللہ تبارک وتعالیٰ للاتباع واجتناب ما حذرنا عن الابتداع

پہلی کیفیت:۔ ۱۳ رکعات پڑھتے پہلی دونوں رکعتیں ہلکی پڑھتے۔ چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی حدیث:۔ قال زید بن خالد الجھنی انہ قال لارمقن صلوٰۃ رسول اللہ علیہ وسلم اللیلۃ فصلی رکعتین خفیفتین ثم صلی رکعتین طویلتین طویلتین طویلتین ثم صلی رکعتین وھما دون اللتین قبلھما

زید بن خالد الجہنی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز ادا فرماتے ہوئے دیکھا۔ چنانچہ آپ نے پہلی دو رکعتیں تخفیف کے ساتھ پھر دو رکعتیں بہت زیادہ مبالغہ آمیز طوالت کے ساتھ پھر دو رکعتیں اس سے کم پھر دو رکعتیں اس سے کم پھر دو رکعتیں

---

[1] طحاوی (۱/۲/۱۷) [2] دار قطنی (ص-۱۷۳)

ثم صلی رکعتین و هما دون اللتین قبلهما ثم صلی رکعتین وهما دون اللتین قبلهما ثم اوتر فذالك ثلاث عشرة رکعة۔

(مسلم ۔ ابوعوانہ)

اس سے کم پھر وتر پڑھے ۔ پس اس انداز سے آپ نے ۱۳ رکعات نوافل پڑھے

دوسری حدیث :۔ قال ابن عباس بت عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ وھو عند میمونۃ فقام حتی ذھب ثلث اللیل اونصفہ استیقظ فقام الی شن فیہ ماء فتوضأ وتوضأت معہ ثم قام فقمت الی جنبہ علی یسارہ فجعلنی من یمینہ ثم وضع یدہ علی راسی کانہ یمس اذنی کانہ یوقظنی فصلی رکعتین خفیفتین قد قرء فیھا بام القرآن فی کل رکعۃ ثم سلم ثم صلی احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر ثم نام فاتاہ بلال فقال الصلوٰۃ یارسول اللہ فقام فرکع رکعتین ثم صلی بالناس۔

عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ میں ایک رات میمونہ کے گھر میں آپ کے پاس رہا ۔ چنانچہ (راوی کو شک ہے) آپ رات کے تیسرے حصے یا نصف گزرنے کے بعد بستر سے اٹھے ۔ پانی کے مشکیزے سے آپ نے اور میں نے وضو کیا ۔ پھر آپ نماز کے لئے کھڑے ہوئے ۔ میں آپ کے بائیں جانب کھڑا ہوا ۔ لیکن آپ نے مجھے دائیں جانب دھکیل دیا ۔ پھر اپنے ہاتھ کو میرے سر پر پھیرتے ہوئے کان پکڑ کر مجھے بیدار کرتے رہے ۔ چنانچہ آپ نے دو رکعتیں تخفیف کے ساتھ پڑھیں جن میں آپ نے سورہ فاتحہ تلاوت فرمائی ۔ سلام پھیر کر پھر آپ نوافل پڑھتے رہے ۔ یہاں تک کہ آپ نے وتر سمیت گیارہ رکعتیں پڑھیں پھر آپ سو گئے ۔ بعد ازاں بلال آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اطلاع دیتا ہے یا رسول اللہ نماز کا وقت ہوگیا ہے ۔ آپ اسی طرح کھڑے ہوکر دو رکعت

۱؎ ابوداؤد (۱/۲۱۵) وعنہ ابوعوانہ فی صحیحہ (۲/۳۱۸) حافظ ابن القیم اس حدیث پر مطلع نہیں ہوسکے جب کہ وہ زادالمعاد (۱/۱۲۱) میں رقمطراز ہیں کہ عبداللہ بن عباس نے حضرت عائشہ کی روایت کی طرح دو ہلکی رکعتوں کا ذکر نہیں فرمایا ۔

ادا فرماتے ہیں پھر لوگوں کو فجر کی نماز پڑھاتے ہیں۔

تیسری حدیث:

قالت عائشۃ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام من اللیل افتتح صلاتہ برکعتین خفیفتین ثم صلی ثمان رکعات ثم اوتر وفی لفظ کان یصلی العشاء ثم یتجوز برکعتین وقد اعد لہ سواکہ وطھورہ فیبعثہ اللہ لما شاء ان یبعثہ فیتسوک ویتوضأ ثم یصلی رکعتین ثم یقوم فیصلی ثمان رکعات یسوی بینھن فی القرأۃ ثم یوتر بالتاسعۃ فلما اسن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واخذ اللحم جعل تلک الثمانی ستا ثم یوتر بالسابعۃ ثم یصلی رکعتین وھو جالس یقرء فیھما بقل یاایھا الکفرون واذا زلزلت[1]

حضرت عائشہ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہونے کے بعد دو خفیف رکعتیں ادا فرماتے پھر ۸ رکعات اور وتر پڑھتے بعض روایات میں یوں مروی ہے کہ آپ عشاء کی نماز کے بعد دو ہلکی رکعتیں ادا کرتے چنانچہ آپ کی خوابگاہ کے نزدیک آپ کیلئے وضو کا پانی اور مسواک رکھی ہوتی تھی چنانچہ اللہ پاک جب آپ کو بیدار کرتے آپ اٹھ کر مسواک استعمال کرتے۔ وضو فرما کر دو رکعتیں پڑھتے۔ بعد ازاں ۸ رکعات پڑھتے۔ ان سب میں قرأت مساوی ہوتی تھی پھر نویں رکعت وتر پڑھتے۔ لیکن جب آپ بوڑھے ہو گئے اور آپ کا گوشت ڈھیلا ہو گیا تو بجائے ۸ رکعات کے ۶ رکعات پڑھتے اور ساتویں رکعت وتر پڑھتے۔ بعد ازاں بیٹھ کر دو رکعات پڑھتے۔ ان دونوں رکعتوں میں قل یاایھا الکفرون اور اذا زلزلت تلاوت فرماتے۔ طحاوی کی اس روایت میں رکعات کی تعداد صراحتاً ۱۳ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اس سے پہلی حدیث میں وتر کی رکعات کی تعداد تین ہے۔ اگرچہ بظاہر اس میں تعیین کا ذکر نہیں ہے۔ نیز الفاظ پر غور و فکر کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچ رہے ہیں کہ حضرت عائشہ نے عشاء کی نماز کے

---

[1] طحاوی (۱/۱۶۵) باللفظین واسنادھما صحیح والشطر الاول من اللفظ الاول اخرجہ مسلم (۲/۱۸۴) وابو عوانہ (۲/۳۰۴) وکلھم رووہ من طریق الحسن البصری معنعنا لکن اخرجہ النسائی (۱/۲۵۰) و احمد (۶/۱۶۸) من طریقہ مصرحا بالتحدیث باللفظ الثانی نحوہ

بعد دو خفیف رکعتوں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن عشاء کے بعد کی دو سنتوں کا ذکر نہیں کیا تو ان دو خفیف رکعتوں سے مراد عشا کی نماز کے بعد دو رکعتیں عشا کی سنتیں ہیں۔

دوسری کیفیت:۔ ۱۳ رکعات ہیں ۸ رکعات، ہر دو رکعات پر سلام پھیرتے۔ بعد ازاں ۵ رکعات وتر پڑھتے۔ آخر میں سلام پھیرتے۔ چنانچہ حضرت عائشہ کی حدیث سے یہ کیفیت معلوم ہو رہی ہے۔

کان صلی اللہ علیہ وسلم یرقد فاذا ستیقظ تسوک ثم توضأ ثم صلی ثمان رکعات یجلس فی کل رکعتین فیسلم ثم یوتر بخمس رکعات لا یجلس الا فی الخامسة ولا یسلم الا فی الخامسة فاذا اذن المؤذن قام فصلی رکعتین خفیفتین[۱]

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہونے کے بعد مسواک اور وضو فرمانے پھر ۸ رکعات دو دو کی صورت میں پڑھتے۔ بعد ازاں ۵ رکعات وتر۔ آخر میں سلام کے ساتھ پڑھتے اور فجر کی نماز کے بعد دو ہلکی رکعتیں پڑھتے۔ اس روایت کی شاہد عبد اللہ بن عباس سے مروی حدیث ابو داؤد، بیہقی میں صحیح سند کے ساتھ موجود ہے[۲]۔ پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کی رات کی نماز ۱۳ رکعات پر مشتمل تھی جن میں دو رکعتیں فجر کی سنتیں شمار کی گئی ہیں۔ اس روایت اور حضرت عائشہ کی دوسری روایت جس میں گیارہ رکعات کا ذکر ہے میں بظاہر تناقض ہے۔ لیکن ان کے درمیان تطبیق کی توجیہہ کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

تیسری کیفیت:۔ گیارہ رکعات پڑھتے ہر دو رکعات پر سلام پھیرتے، ایک رکعت وتر پڑھتے۔ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں۔

---

[۱] احمد (۶/۱۲۳-۲۳۰) وسندہ صحیح علی شرط الشیخین وقد اخرجہ مسلم (۲/۱۶۶) وابوعوانہ (۲/۳۲۵) و ابو داؤد (۱/۲۱۰) والترمذی (۲/۳۲۱) وصححہ والدارمی (۱/۳۷۱) و ابن نصر (ص ۱۲۰-۱۲۱) والبیہقی (۳/۲۷) و ابن حزم فی المحلی (۳/۴۲-۴۳) ان محدثین نے مختصراً بیان کیا۔ ان کی روایت میں ہر دو رکعت پر سلام پھیرنے کا ذکر نہیں ہے۔ دوسری سند الشافعی (۱/۱/۱۰۹) والطیالسی (۱/۱۲۰) والحاکم (۱/۳۰۵) صرف پانچ رکعات وتر کا ذکر ہے۔ [۲] ابو داؤد (۱/۲۱۴) بیہقی (۳/۲۹) سند صحیح ہے۔

كان صلى الله عليه وسلم يصلي فيما بين ان يفرغ من صلوٰة العشاء وهي التي يدعو الناس العتمة الى الفجر احدى عشرة ركعة يسلم بين كل ركعتين ويوتر بواحدة ويمكث في سجوده قدر ما يقرء احدكم خمسين اية قبل ان يرفع راسه فاذا سكت المؤذن في صلوٰة الفجر وتبين له الفجر وجاء المؤذن قام فركع ركعتين خفيفتين ثم اضطجع على شقه الايمن حتى ياتيه المؤذن للاقامة[1]

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عشاء اور فجر کی نماز کے درمیان گیارہ رکعات پڑھتے ہر دو رکعات پہ سلام پھیرتے ۔ ایک رکعت وتر پڑھتے ۔ اس کے بعد پچاس آیات پڑھنے کے بقدر سجدہ میں پڑے رہتے ۔ فجر کی اذان کے بعد دو ہلکی رکعتیں پڑھتے ۔ دائیں پہلو پر لیٹ جاتے ۔ اس کے بعد مؤذن اقامت کی اجازت کے لئے آپ کے پاس آیا معلوم ہوا کہ فجر کی سنّت اور فرض کے درمیان دائیں جانب لیٹنا مسنون ہے لیکن صحابہ کرام سے منقول نہیں کہ وہ مسجد میں سنّتوں کے بعد لیٹتے ہوں ۔ بلکہ بعض صحابہ سے انکار بھی منقول ہے لہذا اس کو گھر کی سنّت سمجھا جائے گا جیسا کہ آپ کا یہی طرزِ عمل تھا[2]

اس حدیث کی شاہد عبداللہ بن عمر کی حدیث ہے ۔

ان رجلاً سأل النبي صلى الله عليه وسلم عن صلوٰة الليل مثنى مثنى فاذا اخشى احدكم الصبح صلى ركعة توتر له ما قد صلى[3]

کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کی نماز کے بارے میں سوال کیا آپ نے فرمایا رات کی نماز دو رکعت ہے جب تم میں سے کوئی شخص صبح صادق کے

---

[1] مسلم (۲/۱۵۵) ابو عوانہ (۲/۳۲۶) ابوداؤد (۱/۲۰۹) الطحاوی (۱/۱۶۷) احمد (۶/۲۱۵-۲۴۸) واخرجہ الاولان من حدیث ابن عمر ایضا وابو عوانہ (۲/ ۳۱۵) من حدیث ابن عباس

[2] فجر کی دو رکعت سنت کے بعد دائیں کروٹ پر لیٹنا مستحب ہے ۔ اور گھر میں سنت ادا کرنیوالے کے ساتھ خاص نہیں ترمذی میں صحیح سند کیساتھ عام روایت مروی ہے ۔ (مترجم)

[3] مالک (۱/۱۴۴) بخاری (۲/۳۸۲-۳۸۵) مسلم (۲/۱۷۲) ابوعوانہ (۲/۳۳۰-۳۳۱) ۔

طلوع کا خطرہ محسوس کرے تو ایک رکعت وتر کے ساتھ نماز کو وتر بنا لے

اس حدیث میں وارد ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ دو دو رکعتوں کا مطلب کیا ہے کہنے لگے کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جائے۔ موطا امام مالک اور بخاری کے سیاق میں ہے کہ عبداللہ بن عمر تین وتر کو اس طرح پڑھتے تھے کہ دو رکعت پر سلام پھیرتے پھر ایک رکعت پڑھتے اور اپنی کسی ضرورت کا تذکرہ فرماتے۔ عبداللہ بن عمر کی طرف سے یہ تشریح مسند احمد میں مرفوعاً مذکور ہے[1]۔ لیکن اس کی سند میں عبدالعزیز بن ابی رواد' جو اگرچہ صدوق ہے لیکن بسا اوقات وہم کے عارضہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پس خطرہ ہے کہ کہیں اس نے عبداللہ بن عمر کی اپنی تشریح کو مرفوع حدیث نہ بنا دیا ہو۔

چوتھی کیفیت:۔ گیارہ رکعات پڑھتے ہر چہار رکعات ایک سلام کے ساتھ پھر تین وتر پڑھتے۔ چنانچہ اس مضمون کی حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے۔ بظاہر حدیث سے یہ بات مترشح ہو رہی ہے کہ چار رکعات میں ہر دو رکعات کے بعد قعود فرماتے۔ نیز تین رکعات وتر میں بھی دو رکعت پر تشہد بیٹھتے۔ جیسا کہ اس بات کو امام نووی نے صراحتاً تحریر کیا ہے۔ نیز حضرت عائشہ سے بھی بعض صریح احادیث میں مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر میں دو رکعت کے بعد تشہد بیٹھتے اور سلام نہیں پھیرتے تھے۔ لیکن اس روایت کے تمام طرق معلول ہیں۔ چنانچہ امام محمد بن نصر مروزی، بیہقی اور نووی نے ان کو معلول قرار دیا ہے[2]۔ پس تین رکعات وتر میں دو رکعات پر بیٹھنا اور سلام نہ پھیرنا اس معلول روایت سے ثابت ہے۔ اس فصل کے آخر میں اس کی مخالف حدیث کا ذکر کیا جائے گا۔

پانچویں کیفیت:۔ گیارہ رکعات پڑھتے، آٹھ رکعات ایک سلام کے ساتھ پڑھتے۔ آٹھویں رکعت پر تشہد بیٹھتے۔ درود شریف اور دیگر ادعیہ ماثورہ پڑھتے پھر کھڑے ہو کر ایک رکعت وتر پڑھ کر سلام پھیرتے۔ پھر دو رکعات بیٹھ کر پڑھتے۔ اس

[1] مسند احمد (رقم ۵۱۰۳) [2] مسلم (۲/۱۶۹-۱۷۰) ابو عوانہ (۲/۳۲۱/۲/۳۲۵) ابوداؤد (۱/۲۱۰-۲۱۱) نسائی (۱/۲۲۴/۲۵۰) ابن نصر (۴۹) بیہقی (۳/۳۰) احمد (۶/۵۳-۵۴-۱۶۱)

کیفیت کا ذکر حضرت عائشہ کی حدیث میں ہے جس کے راوی سعد بن ہشام بن عمار ہیں۔

انہ اتی ابن عباس فسألہ عن وتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابن عباس الا ادلك علی اعلم اهل الارض بوتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من؟ قال: عائشۃ فأتہا فاسئلها ۔ فانطلقت الیها قال قلت یا ام المؤمنین انبئینی عن وتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت کنا نعد لہ سواکہ وطهورہ فیبعثہ اللہ ماشاء ان یبعثہ من اللیل فیتسوك ویتوضأ ویصلی ثمان رکعات لا یجلس فیها الا فی الثامنۃ فیذکر اللہ ویحمدہ ویصلی علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم ویدعو ثم ینهض ولا یسلم ثم یقوم فیصلی التاسعۃ ثم یقعد فیذکر اللہ ویحمدہ ویصلی علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم ویدعو ثم یسلم تسلیماً یسمعنا ثم یصلی رکعتین بعد ما یسلم وهو قاعد فتلك احدی عشرۃ یا بنی فلما اسن نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واخذہ اللحم اوتر بسبع وصنع فی الرکعتین مثل صنیعہ الاول فتلك تسع یا بنی۔

اس نے عبداللہ بن عباس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کے بارے میں سوال کیا کہ عبداللہ بن عباس نے کہا آپ حضرت عائشہ کے پاس جائیں جو اس مسئلہ کو تمام لوگوں سے زیادہ جانتی ہیں۔ چنانچہ سعد بن ہشام بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا کہ اے ام المؤمنین مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر نماز کے بارے میں بتائیں۔ حضرت عائشہ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم آپ کے لئے مسواک اور وضو کا پانی تیار رکھتے تھے۔ جب اللہ پاک آپ کو نیند سے بیدار فرماتے تو آپ اٹھ کر مسواک اور وضو کے بعد ۹ رکعات ایک سلام کے ساتھ پڑھتے آٹھویں رکعت پر تشہد بیٹھتے۔ حالت تشہد میں حمد و ثنا کے کلمات پڑھتے اور اپنے آپ پر درود شریف بھیجنے کے بعد دعا فرماتے۔ پھر نویں رکعت کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے۔ تشہد میں حمد و ثنا، ادعیہ وغیرہ پڑھتے۔ درود شریف کے بعد ماثورہ دعائیں مانگتے۔ پھر سلام پھیرتے پھر دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے پس گیارہ رکعات آپ پڑھا کرتے تھے۔ لیکن جب آپ کی عمر زیادہ ہوگئی جسم فربہ ہوگیا

آپ سات رکعات پڑھتے اور وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے۔ پس اس حدیث سے بھی معلوم ہؤا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ پر درود شریف بھیجتے تھے۔ اور جس طرح آخری تشہد میں درود شریف پڑھنا مشہور ہے۔ اس طرح آپ پہلے تشہد میں بھی درود بھیجتے تھے پس اب کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ پہلے تشہد میں درود پڑھنے سے اعراض کرے اور اسے سنت کے خلاف سمجھے بلکہ مکروہ تحریمی کا فتویٰ لگائے[۱] اور یہ بات تو تسلیم شدہ ہے فرض اور نفل نماز کے احکام میں کچھ فرق نہیں۔ ہاں اگر کوئی فارق دلیل موجود ہو تو فرق کیا جا سکتا ہے۔

مذکورہ حدیث اور دوسری حدیث (جس میں وارد ہے کہ رات کی آخری نماز وتر ہونی چاہیئے) میں تناقض ہے۔ علماء اس تناقض کو ختم کرنے کی مختلف صورتیں بیان کرتے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک ان صورتوں میں سے کوئی بھی صورت قابل ترجیح نہیں ہے اس لئے کہ میں توقف کا قائل ہوں۔ البتہ ممکن ہے کہ وتر کے بعد دو رکعات پڑھنا آپ کی خصوصیات میں سے ہو[۲]۔

چھٹی کیفیت ۹ رکعات پڑھتے۔ اس طرح کہ چھٹی رکعت پر بیٹھتے تشہد اور درود پڑھتے پھر ساتویں رکعت کے لئے کھڑے ہو کر سلام پھیرتے۔ بعد ازاں بیٹھ کر دو رکعت پڑھتے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان مذکورہ کیفیات کے ساتھ رات اور وتر کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ مزید صورتیں بھی ممکن ہیں۔ ہر کیفیت سے رکعات کا کم کرنا ممکن ہے۔ یہاں تک کہ ایک رکعت پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے۔ ارشاد نبوی ہے جو شخص وتر پڑھنا چاہتا ہے پانچ، تین ایک وتر پڑھ سکتا ہے۔

پس اس حدیث سے ایسی تین صورتیں ثابت ہو رہی ہیں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل صحیح نقل کے ساتھ ثابت نہیں۔ صحیح سند کے ساتھ آپ سے منقول ہے کہ آپ سات رکعات

---

[۱] اگرچہ ہمارے ملک میں اس پر عمل نہیں ہے تاہم اس حدیث کے صریح الفاظ اور آپ کا عمل اس کے جواز پر دال ہیں۔ لہٰذا اس کو بدعت کہنا کسی شکل میں درست نہیں۔

[۲] وتر کے بعد دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھنا آپ کی خصوصیات سے نہیں ہے۔ اس لئے کہ احادیث میں خصوصیت کے الفاظ موجود نہیں۔ البتہ رات کے نوافل کا وتر پر اختتام کرنا مستحب ہے۔

سے کم وتر نہیں پڑھتے تھے ۔ پس ان پانچ تین رکعات کو ایک تشہد ایک سلام یا دو تشہد اور ایک سلام یا ہر دو رکعت پر سلام کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے اور یہ آخری صورت افضل ہے۔

حافظ محمدؒ بن نصر مروزی کی وضاحت :

رمضان المبارک میں نوافل رات کے نوافل میں استحباب یہ ہے کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جائے ۔ وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلیٰ اور دوسری میں قل یا ایھا الکافرون سورتیں پڑھی جائیں اور تشہد بیٹھ کر سلام پھیرا جائے ۔ تیسری رکعت وتر میں قل ھو اللہ احد اور معوذتین پڑھی جائیں ۔ ہم اس کیفیت کو اس لئے مستحب قرار دیتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے اس کو پسند فرمایا ۔ اگرچہ دیگر کیفیات کے ساتھ بھی رات کے نوافل ارشادات نبوی کی رہنمائی میں ادا کرنے جائز ہیں ۔ ہاں جس کیفیت سے منع کیا گیا ہو اس کے کرنے کو ہم جائز نہیں سمجھتے ۔ پس مذکورہ حدیثوں کی روشنی میں تمام کیفیات کے مطابق عمل کرنا جائز ہے البتہ اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ نفل نماز میں آپ سے مختلف کیفیات مروی ہیں ۔ لہذا جہاں ہم ان سب کیفیات کو جائز اور درست قرار دیتے ہیں وہاں ہم تین رکعت وتر کے بارے میں مدعی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحیح اور واضح حدیث میں موجود نہیں کہ آپ نے تین رکعات وتر میں آخر میں سلام پھیرا ہو جیسا کہ واضح طور پر پانچ ، سات ، نو رکعات میں حدیثیں موجود ہیں کہ آپ نے آخری رکعت پڑھ کر سلام پھیرا ۔ اگر ایسی حدیثیں موجود ہیں جن میں تین رکعات وتر کا ذکر موجود ہے لیکن سلام کا ذکر نہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر سلام کا ذکر نہیں تو آپ نے سلام پھیرا بھی نہیں جبکہ صحیح احادیث میں دو رکعات پر سلام پھیرنے کا ذکر موجود ہے ۔ محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مضمون کی حدیثیں عمران بن حصین ، عائشہ ، عبدالرحمان بن ابزیٰ ، انس بن مالک سے بھی مروی ہیں ۔ اگرچہ احادیث واضح نہیں ہیں ۔ لیکن ان میں احتمال ہے کہ تین رکعات وتر میں آپ نے دو رکعت پر سلام پھیرا ہو جیسے وہ آدمی جو دس رکعات نوافل ادا کرتا ہے اور ہر دو رکعت پر سلام پھیرتا ہے ۔ اس کے بارے میں یہ کہنا جائز ہے کہ اس نے دس رکعات پڑھی ہیں ۔ نیز واضح حدیثیں موجود ہیں جن میں ذکر ہے کہ آپ نے دو رکعت پر سلام پھیرا اور ایک رکعت وتر الگ پڑھا اور وہ حدیثیں جن میں دو رکعت پر سلام پھیرنے کا ذکر نہیں ہے وہ ضعیف ہیں ۔ چنانچہ ابی بن کعب کی حدیث جو نسائی میں [1] ہے کہ وتر نماز میں آپ آخر میں سلام پھیرتے ۔ اس میں

---

[1] نسائی (۱/ ۲۴۸)

عبدالعزیز بن خالد[1] راوی اس زیادتی کے ساتھ منفرد ہے اور پھر کسی امام نے اس کو ثقہ نہیں کہا۔ عیسیٰ بن یونس عبدالعزیز کی مخالفت کرتا ہے جبکہ وہ ثقہ ہے۔ نیز بعض دیگر رواۃ بھی اس زیادتی کا ذکر نہیں کرتے۔ معلوم ہوا کہ یہ زیادتی منکر ہے اور قطعاً استدلال کے قابل نہیں۔ پس اخبار واضحہ جن میں کوئی احتمال نہیں ان کو ترجیح دی جائے گی اور ان کے مقابلہ میں اخبار مبہمہ جن میں احتمالات موجود ہیں ان سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں اگر کوئی شخص نماز عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھنا چاہتا ہے تو اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ ایک رکعت وتر سے پہلے دو رکعت نفل پڑھے اگرچہ ایک رکعت وتر بھی جائز ہے۔

چنانچہ جلیل القدر صحابہ کے فعل سے اس کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔ ہاں امام مالک اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں لیکن صحابہ کرام کی اتباع کرنا زیادہ بہتر ہے۔ تین وتر کی مکروہ ہیئت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور تابعین سے چند حدیثیں اور آثار مروی ہیں۔ ایک حدیث کا مضمون یہ ہے کہ تین رکعت وتر پڑھ کر اسے مغرب کی نماز کے ساتھ مشابہ نہ بنائیے البتہ پانچ وتر پڑھیئے۔ اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے لیکن امام طحاوی صحیح سند کے ساتھ اس حدیث کو ذکر کرتے ہیں۔ البتہ یہ حدیث ابو ایوب کی حدیث کے معارض ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ جو شخص تین وتر پڑھنا چاہتا ہے اسے ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ پس ان دونوں روایتوں کے درمیان مطابقت کی صورت یہ ہے کہ تین رکعت وتر کو دو تشہد کے ساتھ نہ پڑھا جائے تاکہ مشابہت نہ رہے اور جب وہ آخر میں تشہد بیٹھے گا تو مشابہت نہیں رہے گی۔ اس تطبیق کا ذکر حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری[2] میں کیا ہے۔ علامہ صنعانی نے سبل السلام[3] میں اس مطابقت کو مستحسن قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ دو رکعت پر سلام پھیرنے سے مشابہت مفقود ہو جاتی ہے۔ حافظ ابن القیم زاد المعاد[4] میں اس حدیث (آپ وتر کی دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیرتے تھے) کو محل نظر قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ابو حاتم بن حبان صحیح ابن حبان میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث لاتے ہیں کہ تین وتر نہ پڑھو تاکہ مغرب کی نماز کے ساتھ مشابہت نہ ہو جائے۔ البتہ پانچ، سات، رکعات وتر پڑھو۔ دارقطنی نے اس کے جمیع رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے۔

---

[1] ابن نصر (۱۲۶) دارقطنی (۱۷۴) [2] فتح الباری (۱/۳۸۸) [3] سبل السلام (۲/۸) [4] زاد المعاد (۱۲۲)

امام احمد بن حنبل کا قول:-

امام احمد بن حنبل کے شاگرد مہنا ان سے پوچھتے ہیں کہ ہم وتر کی نماز کس طرح ادا کریں فرمایا آپ دو رکعت پر سلام پھیریئے۔ اس لیئے کہ اس کے ثبوت میں جو حدیثیں آئی ہیں وہ اکثر اور اقوی ہیں۔ حارث نے بیان کیا کہ امام احمد بن حنبل ؒ سے وتروں کے بارے میں سوال کیا گیا۔ فرمایا دو رکعت پر سلام پھیرا جائے اور اگر دو رکعت پر سلام نہ پھیرا جائے تب بھی کوئی حرج نہیں لیکن سلام پھیرنا ثابت ہے۔

خلاصہ:- پس اس تمام بحث سے معلوم ہوا کہ مذکورہ کیفیات میں سے جس کیفیت کے ساتھ بھی وتر نماز کو پڑھا جائے جائز ہے۔ لیکن مغرب کی نماز کی طرح دو تشہد کے ساتھ وتر پڑھنا کسی صحیح صریح حدیث سے ثابت نہیں بلکہ اس کیفیت کو مکروہ کہنا بہتر ہے۔ اس لئے ہم پسند کرتے ہیں کہ تین رکعت وتر میں درمیانہ تشہد نہیں بیٹھنا چاہیئے اور اگر درمیانہ تشہد بیٹھ لیا جائے تو دو رکعت پر سلام پھیر لیا جائے اور ایک رکعت وتر الگ پڑھا جائے یہی صورت افضل ہے۔ واللہ الموفق لادب سواہ

آہستگی کے ساتھ نماز ادا کرنے کی رغبت دلانا اور جلدی پڑھنے سے ڈرانا۔

رمضان کے بابرکت مہینہ میں دن کو روزہ اور رات کو قیام ایک فرمانبردار متبع سنت مومن کی طرح کرنا چاہیئے۔ خصوصاً نماز تراویح کی ادائیگی میں سنت نبوی کو ملحوظ رکھنا چاہیئے ارشاد نبوی ہے کہ جو شخص رمضان المبارک میں جذبۂ ایمان اور طلب ثواب کے پیش نظر رات کا قیام کرتا ہے تو اس کے پہلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

چنانچہ اس کتاب کے مضامین سے آپ نے معلوم کر لیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام اللیل کی کیفیت کیسی تھی۔ حضرت عائشہ کا یہ قول کہ آپ کس قدر لمبا قیام فرماتے اس کے بارے میں مت پوچھیئے) حقیقت کی عکاسی کرتا ہے۔ نیز پچاس آیات تلاوت کے برابر سجدہ میں پڑے رہنے اور پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ تلاوت فرماتے جس میں رکوع، سجدہ، قومہ، قیام کے برابر ہوتا تھا۔ پھر حضرت عمر کے عہدِ خلافت میں تقریباً تین صد آیات کے ساتھ قیام ہوتا اور طول قیام کی وجہ سے لوگ لاٹھیوں پر سہارا کرتے تھے اور کہیں صبح صادق کے قریب جا کر نماز تراویح سے فارغ ہوتے۔ پس ہمارے لیئے مناسب ہے کہ ہم نماز تراویح میں حسبِ طاقت لمبا قیام کریں رکوع و سجود میں کثرتِ تکرار کے ساتھ تسبیح و تحمید کا ورد کریں تاکہ ہم خشوع کی وجدانی کیفیت سے سرشار ہوسکیں

وہ لوگ جو بیس رکعات تراویح کے التزام پر مصر ہیں عموماً دیکھا گیا ہے کہ ان کا رکوع وسجود سنت کے مطابق نہیں ہوتا۔ یہ لوگ بڑی عجلت اور بلا تعدیل ارکان مرغ کے ٹھونگوں کی طرح نماز ادا کرتے ہیں۔ سروں دکھائی دیتا ہے جیسے کنوئیں کے لوٹے اوپر نیچے آرہے ہیں تلاوت کے وقت آیات قرآنی میں تدبر کرنا اور مناسبت کے لحاظ سے جنت کا سوال کرنا اور دوزخ سے بچاؤ کی دعا کرنا تو کجا بعض اوقات ان کی متابعت میں اگر نوافل ادا کرنے کا اتفاق ہو جائے تو امام کے ساتھ ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔ قلیل تعداد میں ایسے آئمہ مساجد بھی ہیں جو اس ناقص ادائیگی کو چھوڑ کر اصل سنت نبوی گیارہ رکعات اور تعدیل ارکان کی طرف لوگوں کو متوجہ کر رہے ہیں۔ اور انہیں خشوع وخضوع کا درس دیتے ہیں (زادھم اللہ توفیقنا الی العمل بالسنۃ واحیائھا)۔

اللہ پاک ایسے لوگوں کو سنت نبوی کے مطابق زندگی ... سنت کے احیا کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ دمشق اور دیگر شہروں میں ان کی تعداد میں اضافہ فرمائے

لیکن الاصابہ کے مرتبین علماء اس کی طرف متوجہ ہونے کیلئے راغب ہیں اور نہ ہی لوگوں کو سنت نبوی کی طرف متوجہ کرنے کے لئے زبان سے کوئی کلمہ کہنے کے لیے تیار ہیں۔ بلکہ ان کا منشا یہ ہے کہ بیس رکعات تراویح پر التزام کیا جائے۔ اگرچہ تعدیل ارکان نہ بھی ہو اور کیفیت و کمیت کے لحاظ سے بھی سنت رسول کے خلاف ہو۔ نیز اذکار مسنونہ سے بھی بالکل خالی ہو۔

اذکار مسنونہ کے بارے میں میری کتاب صفۃ صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کیجئے۔

ان احادیث کا بیان جنمیں نماز کو حسن انداز سے ادا کرنے اور بگاڑنے سے روکنے کا حکم دیا گیا ہے

پس وہ لوگ جو نماز تراویح کی ادائیگی میں بہتر انداز اختیار کرتے ہیں لائق تحسین ہیں۔ اور جو لوگ نماز تراویح کو عجلت عدم اطمینان تعدیل ارکان کا لحاظ نہ کرتے ہوئے ادا کرتے ہیں۔ انہیں اپنے اس تغافل سے کنارہ کش ہونا چاہیے۔

چند احادیث ملاحظہ فرمائیں

(۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رجلاً دخل المسجد لیصلی ورسول اللہ	ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک آدمی مسجد میں نماز پڑھ کر آپ پر سلام کہتا ہے

صلی اللہ علیہ وسلم فی ناحیۃ المسجد
فجاء فسلم علیہ فقال لہ : علیک
السلام ارجع فصل فانک لم تصل
فرجع فصلی ثم سلم فقال وعلیک
السلام ارجع فصل فانک لم تصل
قال فی الثالثۃ فاعلمنی قال اذا
قمت الی الصلوٰۃ فاسبغ الوضوء
ثم استقبل القبلۃ فکبر واقرء
بما تیسر معک من القرآن ثم ارکع
حتی تطمئن راکعاً ثم ارفع راسک
حتی تعتدل قائماً ثم اسجد حتی
تطمئن ساجداً ثم ارفع حتی تستوی
و تطمئن جالساً ثم اسجد حتی تطمئن ساجداً
ثم ارفع حتی تستوی قائماً ثم افعل
ذالک فی صلوٰتک کلہا ۔(۱)

آنحضرت اس کے سوال کا جواب دینے کے
بعد فرماتے ہیں ۔ واپس جاکر نماز پڑھو تمہاری
نماز نہیں ہے ۔ چنانچہ وہ واپس گیا ۔ نماز ادا
کرنے کے بعد پھر سلام کہتا ہے ۔ آپ دوبارہ
اسے نماز لوٹانے کا حکم دیتے ہیں ۔ چنانچہ تیسری
بار وہ کہتا ہے کہ مجھے نماز پڑھنے کی تعلیم دیجئے
اس پر آپ فرماتے ہیں کہ جب تو نماز ادا کرنے
کا ارادہ کرے تو اچھی طرح وضو کرنے کے
بعد قبلہ رخ کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہنے
کے بعد قرآن پاک کی کوئی آسان سورت
تلاوت فرمائیے ۔ پھر اطمینان کے
ساتھ رکوع ، پھر اعتدال کے ساتھ قومہ پھر
اطمینان کے ساتھ سجدہ کیجئے ۔ پھر اطمینان
کے ساتھ بین السجدتین پھر دوسرا سجدہ
اطمینان کے ساتھ کیجئے ۔ پھر سجدہ کرنے
کے بعد سیدھے کھڑے ہو جائیے ۔ پس تمام نماز اسی کیفیت کے ساتھ پڑھیئے ۔

(۲) عن ابی مسعود البدری قال
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا
تجزی صلوٰۃ الرجل حتی یقیم ظہرہ
فی الرکوع والسجود ۔(۲)

ابومسعود بدری کہتے ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رکوع و
سجود میں اپنی کمر کو سیدھا نہیں کرتا اس کی
نماز نہیں ہے ۔

---

(۱) بخاری (۲/ ۱۹۱ ، ۲۱۹ ، ۲۲۲ ، ۱۱/ ۳۱ ، ۴۶۷) مسلم (۲/ ۱۰ ، ۱۱)
وغیرہما ۔

(۲) ابوداؤد (۱/ ۱۳۶) نسائی (۱/ ۱۶۷) ترمذی (۲/ ۵۱) ابن ماجہ (۱/ ۲۸۴) دارمی (۱/ ۳۰۴)
طحاوی فی المشکل (۱/ ۸۰) طیالسی (۱/ ۹۷) احمد (۴/ ۱۱۹) دارقطنی (۱۳۳) (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۳) عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اسوأ الناس سرقۃ الذی یسرق صلاتہ قال لا یتم رکوعھا و سجودھا ۔ (۲)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہت برا چور وہ ہے جو نماز کی چوری کرتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ نماز کی چوری کیسے کرسکتا ہے۔ فرمایا نماز کا چور وہ ہے جو نماز میں رکوع و سجود پورا نہیں کرتا ۔

(۴) عن امراء الاجناد عمرو بن العاص وخالد بن الولید وشرجیل بن حسنۃ ویزید بن ابی سفیان قالوا رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلاً لا یتم رکوعہ و ینقر فی سجودہ وھو یصلی فقال لو مات ھذا علی حالہ ھذا مات علی غیر ملۃ محمد ینقر صلوتہ کما ینقر الغراب الا مثل الذی لا یتم رکوعہ و سجودہ مثل الجائع الذی یاکل التمرۃ والتمرتین لا یغنیان عنہ شیئاً ۔ (۳)

فوجی سپہ سالار عمرو بن عاص خالد بن ولید و شرجیل بن حسنہ و یزید بن ابی سفیان بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ رکوع اعتدال کے ساتھ نہیں کر رہا ہے اور سجدہ بھی مرغ چوگ کی طرح کر رہا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا اگر یہ انسان اسی کیفیت پر مرگیا تو اس کی موت دین اسلام پر نہیں ہے ۔ پس اس شخص کی مثال جو رکوع و سجود صحیح نہیں کرتا وہ اس بھوکے انسان کی طرح ہے جو ایک دو کھجوریں اُٹھا کر تناول کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے اس کی بھوک دُور نہیں ہوسکتی۔

(۵) عن طلق بن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ینظر اللہ الی صلوٰۃ عبد لا یقیم صلبہ بین

طلق بن علی نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ پاک اس بندے کی طرف نظرِ رحمت کے ساتھ نہیں دیکھتا جو رکوع و سجود میں اپنی کمر

رکوعها وسجودها۔

کو سیدھا نہیں کرتا۔

(۶) عن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان العبد لیصلی الصلوٰۃ ما یکتب لہ منہا الا عشرہا۔ تسعہا ثمنہا سدسہا خمسہا ربعہا ثلثہا نصفہا

عمار بن یاسر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ کچھ لوگ نماز پڑھتے ہیں لیکن ان کو نماز سے صرف دسواں، نواں، آٹھواں، ساتواں، چھٹا پانچواں، چوتھا، تیسرا نصف حصہ ملتا ہے

(۷) عن عبد اللہ بن الشخیر قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یصلی ولجوفہ ازیز کازیز المرجل یعنی یبکی۔ (۲)

عبد اللہ بن شخیر روایت کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نماز ادا فرما رہے تھے اور آپ کے سینہ سے ایک دردناک آواز سنائی دے رہی تھی جیسا کہ وہ ہنڈیا جو چولہے پر رکھی ہو اس سے آواز سنائی دیتی ہے۔

بقیہ حاشیہ گذشتہ: اس کی سند صحیح ثابت ہے۔ نیز طیالسی کی روایت میں اعمش حدثنا کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

حاشیہ ۲ حاکم (۱/۲۲۹) حدیث کو صحیح کہا اور ذہبی نے بھی حاکم کی موافقت کی ہے۔ نیز ذہبی نے اس کا شاہد ابوقتادہ سے بیان کیا ہے اور امام مالک نے نعمان بن مرۃ سے بیان کیا ہے اس کی سند صحیح مرسل ہے۔ طیالسی نے اس کا شاہد ابوسعید سے (۱/۹۷) پر بیان کیا۔ امام سیوطی نے تنویر الحوالک میں اس کی صحت کو بیان کیا۔

حاشیہ ۳ آجری فی الاربعین، بیہقی (۲/۸۹) سند حسن ہے۔ امام منذری نے (۱/۱/۱۸۲) پر بیان کیا کہ اس روایت کو طبرانی نے معجم الکبیر میں اور ابو یعلی نے حسن سند کے ساتھ اور ابن خزیمہ نے اس روایت کو صحیح کہا۔

حاشیہ ۴ احمد (۴/۲۲) طبرانی فی الکبیر والضیاء المقدسی فی المختارۃ (۲/۳۷) سند صحیح ہے۔ اس کا شاہد مسند (۲/۵۵۲) پر موجود ہے جس کے رواۃ ثقہ ہیں۔ حافظ عراقی نے اس کو تخریج الاحیاء (۱/۱۳۲) پر صحیح کہا۔ منذری نے (۱/۱۸۳) پر اس کی سند کو جید کیا۔

مذکورہ بالا احادیث عمومیت اور اطلاق کے لحاظ سے فرض، نفل، رات، دن کی سبھی نمازوں کو شامل ہیں۔ امام نووی الاذکار میں فرماتے ہیں کہ نماز تراویح کو دوسری نمازوں کی طرح ادا کیا جائے۔ دعا افتتاح تشہد کے بعد کی دعاؤں کو بھی پڑھا جائے۔ اگرچہ یہ سب باتیں عام اور ظاہر ہیں۔ لیکن میں نے ان کا ذکر اس لئے ضروری سمجھا کہ عوام الناس تو کجا امامت کرانے والے لوگ بھی ان کی پرواہ نہیں کرتے اور اکثر اذکار مسنونہ نہیں پڑھتے (۳)

عامری کا قول

عامری نے بہجۃ المحافل میں لکھا ہے کہ اکثر ائمہ مساجد نماز تراویح میں تخفیف کے پیش نظر اذکار مسنونہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ تعدیل ارکان کا قطعاً خیال نہیں رکھتے۔ اشد ضرورت ہے کہ ان کو اس پر متنبہ کیا جائے اور ان کی اہمیت کو واضح کیا جائے جس طرح فرض نمازوں کے شروط آداب جمیع اذکار وغیرہ کا خیال رکھا جاتا ہے نوافل کا بھی رکھا جائے۔ آداب نماز اور قرأت کا تقاضا تو یہ تھا کہ پہلی رکعت قرأت کے لحاظ سے طویل ہو۔ لیکن یہ لوگ خلافِ سنت طلب رحمت کی آیات پر رکوع کرنا ضروری جانتے ہیں۔ اگرچہ دوسری رکعت کی قرأت طویل ہو جائے اور مربوط کلام پہ وقف کرنے کے عادی ہیں اگرچہ سنن متروک ہو جائیں۔ سنن کی طرف عدم توجہ کی وجہ سے سنن ناپید ہوتی جا رہی ہیں یہاں تک کہ جو شخص سنن پر کاربند ہوتا ہے۔ اس کو عوام الناس جاہل اور بیوقوف کا لقب دیتے ہیں اس لئے کہ یہ شخص ان کی نظر میں سوادِ اعظم کی مخالفت کر رہا ہے۔ معاشرہ کی اس خرابی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ معاشرہ میں جب معروف کو منکر اور منکر کو معروف سمجھا جائے گا تو اس وقت قیامت بپا ہو جائے گی۔ پس راہِ سنت پہ کاربند رہنے کا عزم کیجئے اور اپنے متبعین کو بھی اسی راہ پہ چلانے کی کوشش کیجئے نجات، سلامتی اور امن کا بس یہی ایک راستہ ہے۔

حاشیہ ۱ ابوداؤد (۱/۱۲۷) بیہقی (۲/۲۸۱) احمد (۴/۳۱۹، ۳۲۱) ابن حبان کما فی الترغیب (۱/۱۸۴)

حاشیہ ۲ ابوداؤد (۱/۱۴۳) نسائی (۱/۱۸۹) بیہقی (۲/۲۵۱) احمد (۴/۲۵، ۲۶) باسناد صحیح علی شرط مسلم و رواہ ابن خزیمہ و ابن حبان فی صحیحہما کما فی الترغیب (۱/۱۸۷)

حاشیہ ۳ الاذکار (۴/۲۹۷ لشرح ابن علان) فی باب اذکار صلواۃ التراویح۔

قاضی فضیل کا قول

چنانچہ قاضی فضیل فرماتے ہیں کہ راہِ ہدایت سے اس لئے دُور نہ رہا جائے کہ اس کو اختیار کرنے والے قلیل افراد ہیں۔ نیز اگر گمراہی میں پھنسے ہوتے افراد زیادہ ہیں تو ان کی کثرت سے دھوکہ میں نہیں آنا چاہیئے۔

کتاب کا خلاصہ

ابحاث خلافِ توقع طویل ہو گئی ہیں۔ اگرچہ علمی تحقیق کا تقاضا یہی تھا تاہم پوری کوشش کی گئی ہے کہ کم سے کم صفحات میں اہم نکات کو سمیٹ دیا جائے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ قارئین کے سامنے کتاب کا خلاصہ پیش کیا جائے جس سے قارئین کے ذہن میں کتاب کا مجملاً خلاصہ آجائے اور دلائل کی روشنی میں اصل حقیقت کو واضح کیا جائے۔

اوّلاً ذہن نشین کر لیجئے کہ تراویح کو جماعت کی صورت میں پڑھنا بدعت نہیں بلکہ سُنّت ہے۔ ظاہر ہے کہ آپ نے چند راتیں جماعت کرائی پھر اس خطرہ کے پیش نظر کہ کہیں جماعت کے ساتھ ادائیگی فرضیت کی صورت اختیار نہ کر جائے۔ آپ نے جماعت نہ کروائی۔ پھر آپ کی وفات کے بعد جماعت کے ساتھ تراویح کی ادائیگی کے فرض ہونے کا خدشہ ختم ہو گیا۔

ثانیاً آپؐ نے گیارہ رکعات ادا فرمائیں۔ آپ کے بارے میں بیس رکعات والی حدیث سخت کمزور ہے۔

ثالثاً گیارہ رکعات سے زیادہ پڑھنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ زیادہ رکعات ادا کرنے سے فرمان نبوی کا تعطل لازم آتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے کہ تم اس طرح نماز ادا کرو جس طرح تم مجھے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہو۔ اسی لئے تو ہم فجر اور دیگر سنن رواتب میں اضافہ کو جائز نہیں سمجھتے۔

رابعاً ہم اس شخص کو گمراہ اور بدعتی نہیں سمجھتے جو گیارہ رکعات سے زیادہ تراویح پڑھتا ہے جبکہ اسے سنت نبوی کا علم نہیں اور نہ ہی وہ شخص اپنی خواہش کا اتباع کر رہا ہے۔

خامساً اگر گیارہ رکعات سے زیادہ کے جواز کو تسلیم کر لیا جائے تب بھی افضل بات یہی ہے کہ گیارہ رکعات پہ انحصار کیا جائے۔ ارشاد نبوی ہے۔ بہترین راستہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کا راستہ ہے۔

سادساً حضرت عمرؓ نے نماز تراویح میں کسی بدعت کا ایجاد نہیں کیا۔ باجماعت تراویح ادا کرنے کی سنت نبوی کا احیاء ضرور کیا۔ گیارہ رکعات کے تعیّن کا تحفظ کیا اور حضرت عمرؓ سے بیس رکعات کی حدیث کے تمام طرق کمزور ہیں اور ان کا کثرتِ طرق سے آنا کچھ تقویت نہیں پہنچاتا۔ چنانچہ امام شافعی، امام ترمذی، امام نووی، امام زیلعی اور دیگر ائمہ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

سابعاً گیارہ رکعات سے زائد اگر ثابت بھی ہو جائیں تو جس علت کے پیش نظر اضافہ کیا گیا وہ اب موجود نہیں ہے۔ نیز ۲۰ رکعات تراویح ادا کرنے والوں کی نماز میں خشوع و خضوع مفقود نظر آ رہا ہے۔ بلکہ بعض اوقات نماز کی صحت بھی برقرار نہیں رہتی جبکہ ارکان کی ادائیگی میں اعتدال کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔

ثامناً ہم نماز تراویح میں آٹھ سے زائد رکعات کو تسلیم نہیں کرتے جیسا کہ دمشق میں محکمۂ قضا کے جج صاحبان طلاق ثلاثہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے۔ اسی طرح ہم حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق آٹھ سے زائد تراویح کو قابلِ عمل نہیں سمجھتے۔ جبکہ ان سے صحیح سند کے ساتھ تو آٹھ رکعات تراویح پڑھانے کا حکم موجود ہے اور یہ مقلدین لوگ طلاق ثلاثہ میں حضرت عمرؓ کی اس رائے کو وقیع نہیں سمجھتے جیسا کہ اس پر سیر حاصل بحث پہلے ناظرین کی خدمت میں پیش کی جا چکی ہے۔

تاسعاً کسی بھی صحابی سے بیس رکعات پڑھنا صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔ حضرت علیؓ کے بارے میں جو منقول ہے اس کو امام ترمذی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اسی طرح بیس رکعات پر اجماع کا ثبوت پہنچانا بڑا مشکل ہے۔ آٹھ رکعات (جن کو سنت نبوی، سنت عمرؓ بلکہ سنت خلفائے راشدین کہنا چاہیئے) پر التزام ہی مناسب ہے جبکہ ایک حدیث میں ہمیں سنتِ نبوی اور سنت خلفائے راشدین کے مطابق چلنے کا حکم دیا گیا ہے۔ امام مالک ابن العربی اور دیگر علماء نے آٹھ سے زائد رکعات تراویح کا بالکل انکار کر دیا ہے۔ لیکن ان ائمہ کے انکار سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ جو ائمہ مجتہدین آٹھ سے زائد پر عمل کرتے ہیں ان کے عمل پر کوئی ذم عائد کی جائے جیسا کہ ان کی اس مخالفت سے ان کے علم و فضل پر طعن نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ان ائمہ کے مخالفین کو صرف اس مخالفت کی بناء پر فضیلت و برتری نہیں دی جا سکتی جبکہ حقیقت میں

ان کے مخالفین علمی لحاظ سے ان کی گرد تک بھی نہ پہنچ سکتے ہوں ۔ نیز اگر اس لحاظ سے گیارہ رکعات سے زائد نوافل اور وتر جائز نہیں تو اس کا یہ مطلب بالکل نہیں کہ اس سے کم نوافل جائز نہیں ۔ یہاں تک کہ شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں ایک رکعت پہ اکتفا کرنا بھی جائز ہے ۔ نیز سلف صالحین کا عمل بھی اس کا پتہ دیتا ہے ۔

عاشراً جن کیفیات کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوافل اور وتر نماز ادا فرمائی ہے وہ سب صورتیں جائز ہیں ۔ البتہ افضل یہ ہے کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جائے ۔

ھٰذا آخر ما یسر اللّٰہ تبارک و تعالیٰ فی جمعہ (فی صلوٰۃ التراویح) ماذا وقفت فیھا للصّواب فالفضل للّٰہ تبارک وتعالیٰ ولہ الفضل والمنۃ وان کانت الاخری فانا ارجو کل من یقف فیھا علیٰ ما ھو خطأ ان یرشدنا الیہ واللّٰہ تبارک وتعالیٰ یتولیٰ جزاءہ وسبحانک اللّٰھم وبحمدک اشھد انّہ لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک وصلی اللّٰہ علیٰ محمد النبی الامی وعلیٰ آلہ وصحبہ و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین ۔

ء

قیدِ فرنگ
رئیس المتغزلین مولانا حسرت موہانی کے قلم سے
ان دنوں کی داستان جب شمع آزادی کے اس پروانے کو فرنگیوں نے پسِ دیوارِ زنداں دھکیل دیا تھا۔ انہیں چکی پیسنے کی مشقت دی گئی تو لیلائے آزادی کے حصول کے شوق میں اسے بھی ہنسی خوشی برداشت کر لیا۔
ہے مشقِ سخن جاری، چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی
سحری و افطاری کے بغیر بھی جیل کی کال کوٹھڑیوں میں رمضان المبارک کے روزے رکھنا پڑے تو صبر و شکر کا مظاہرہ فرمایا۔
کٹ گیا قید میں ماہِ رمضاں بھی حسرت
گرچہ سامان سحر کا تھا نہ افطاری کا
فرنگیوں نے انہیں آلام و مصائب کا تختۂ مشق بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی مگر اس مردِ مجاہد کے پایۂ استقلال میں قطعاً جنبش پیدا نہ ہوئی بلکہ وہ برملا یہی کہتا رہا ہے۔
جو چاہے سزا دے لو، تم اور بھی کھل کھیلو
پر ہم سے قسم لے لو، کی ہو جو شکایت بھی
"قیدِ فرنگ" ——— انہی تلخ ایام کی سرگزشت ہے۔ جسے مولانا کے بہارِ آفریں قلم نے نہایت دلچسپ بنا دیا ہے !!
طارق اکیڈمی
سٹریٹ ۳
جھنگ بازار
لائل پور

ایک علمی و تحقیقی کاوش

نمازِ تراویح

سُنتِ نبوی ؐ کی روشنی میں

تالیف:

علامہ الشیخ محمد ناصر الدین البانی

ترجمہ و تحشیہ:

محمد صادق خلیل

ناشر

ضیاء السنّۃ ادارۃ الترجمہ والتالیف

محلہ رحمت آباد - لائل پور